جلد 21 شمارہ 12 ماہ دسمبر 2019ء ربیع الثانی 1441ھ

وَاذْکُرِ اسْمَ رَبِّکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا

صداقت

اللّٰہ

محبت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا تعارف اور اغراض و مقاصد

- سلسلہ عالیہ توحیدیہ ایک روحانی تحریک ہے جس کا مقصد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے مطابق خالص توحید، اتباع رسول، کثرت ذکر مکارم اخلاق اور خدمت خلق پر مشتمل حقیقی اسلامی تصوف کی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔
- کشف و کرامات کی بجائے اللہ تعالیٰ کے قرب و عرفان اور اس کی رضا و لقاء کے حصول کو مقصود حیات بنانے کا ذوق بیدار کرنا ہے۔
- حضور ﷺ کے اصحاب کی پیروی میں تمام فرائض منصبی اور حقوق العباد ادا کرتے ہوئے روحانی کمالات حاصل کرنے کے طریقہ کی ترویج ہے۔
- موجودہ زمانے کی مشغول زندگی کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت مختصر اور سہل العمل اوراد واذکار کی تلقین۔
- غصہ اور نفرت، حسد و بغض، تجسّس و غیبت اور ہوا و ہوس جیسی برائیوں کو ترک کر کے قطع ما سواء اللہ، تسلیم و رضا عالمگیر محبّت اور صداقت اختیار کرنے کو ریاضت اور مجاہدے کی بنیاد بنانا ہے۔
- فرقہ واریت، مسلکی اختلافات اور لا حاصل بحثوں سے نجات دلانا۔ تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کی اہمیت کا احساس پیدا کر کے اپنی ذات، اہل و عیال اور احباب کی اصلاح کی فکر بیدار کرنا ہے۔
- اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی اور ملت اسلامیہ کی بہتری کی نیت سے دعوت الی اللہ اور اصلاح و خدمت کے کام کو آگے بڑھانا اپنے مسلمان بھائیوں کے دلوں میں قلبی فیض کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبّت بیدار کرنا اور روحانی توجہ سے ان کے اخلاق کی اصلاح کرنا ہے۔

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد

خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

محمد صدیق ڈارؒ

بانی مجلّہ فلاح آدمیت

نگران و سرپرست اعلیٰ: جناب **محمد یعقوب توحیدی** شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ 0344-9000042

مجلس ادارت

مدیر: **احمد رضا خان** 0321-6400942

معاون مدیر: **خالد محمود بخاری** 0300-7374750

نائب مدیر: **سید رحمت اللہ شاہ** 0333-4552212

خالد مسعود، وحید احمد
پیر خان، عتیق احمد عباسی
حافظ محمد یٰسین، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر محمد شبیر شاہد ہوتوانی
ماجد محمود توحیدی

ترسیل: **فہد محمود ، محمد ریاض**

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ) وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

info@tauheediyah.com :ای میل Ph: 055-3411030

Website www.tauheediyah.com

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراج دین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

قیمت شمارہ 30/- روپے ✿✿✿ سالانہ فنڈ 300/- روپے

اس شمارے میں

دل کی بات ترجیح اوّل

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد اپنی عبادت بتایا ہے جو یقیناً ارکان اسلام کا ہی نام نہیں بلکہ پوری شعوری زندگی کو اللہ کی مرضی کے مطابق گزارنے کا نام درحقیقت عبادت یا بالفاظ دیگر بندگی کہلاتا ہے۔ ہر ذی شعور مسلمان بندگی کے بہتر سے بہتر درجے تک پہنچنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ جس کا بہترین درجہ حدیث جبرائیلؑ کے مطابق احسان کہلاتا ہے۔ آپ ﷺ نے مقام احسان کی وضاحت یوں فرمائی: ''فاعبد ربک کانک تراہ ''اپنے ربّ کی بندگی ایسے کرو گویا کہ اسے دیکھ رہے ہو''۔

ہمارا سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے منسلک ہونے کا اوّل و آخر مقصد بندگی کے اسی درجہ کمال کا حصول ہے۔ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے مقاصد طے کر لینے کے بعد ان کو ہمیشہ ترجیح اوّل (Top Priority) پر رکھا جائے اور وقتاً فوقتاً اپنی کوششوں اور ان کے نتائج کا جائزہ لیا جائے۔

ترجیح اوّل کیا ہے؟ اس کے حقیقی معنی کیا ہیں۔؟ یہ حالت کیسے پیدا ہوگی؟ اس بات کو سمجھنے کے لیے چند مثالیں سامنے رکھتے ہیں: گاڑی چلانے کے دوران ڈرائیور کی ترجیح اوّل ''سڑک کی جانب دیکھنا'' ہے۔ اگرچہ وہ سگریٹ پیتا اور موبائل پر باتیں بھی کر رہا ہوتا ہے مگر اپنی ترجیح اوّل سے چند سیکنڈز کے لیے بھی غافل نہیں ہوتا۔

کمرہ امتحان میں بیٹھا ہوا طالب علم سردی، گرمی، بھوک اور بیرونی ماحول سے بے نیاز ہو کر صرف اور صرف ''پرچے کے حل'' کو ترجیح اوّل ثابت کر رہا ہوتا ہے۔

شکار کی گھات میں بیٹھا ہوا شکاری ہر قسم کی حرکت موقوف کر کے اپنے ہدف کو اپنی ترجیح اوّل ثابت کرتا ہے چاہے اسے اس حالت میں کئی گھنٹے گزارنے پڑیں۔

علماء ظاہر عبادات بجا لانے اور معاملات زندگی اللہ، رسول ﷺ کے احکامات کے مطابق گزارنے کو بندگی کا نام دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بھی بہت بڑا کام ہے جس کا انجام یقیناً

کامیابی ہے مگر خدا کے متلاشی ایک توحیدی سالک کو اس سے کہیں بڑھ کر کوشش کرنی ہوتی ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ساری عمر کوشش ہی یہی کرنی ہوتی ہے۔ جب کہ صوفی کثرت ذکر بلکہ دائمی ذکر کے ذریعے اللہ کو ترجیح اوّل بناتا ہے۔ جس کی وجہ سے مذکورہ تمام عبادات، کام اس کے لیے انتہائی آسان مگر حقیقی روح کے ساتھ صادر ہوتے ہیں۔ ایسی بیسیوں قرآنی آیات ہیں جن کی رو سے یہ بآسانی پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی Demand کیا ہے جو وہ اپنے بندوں سے کرتا ہے جو اس رمز کو سمجھ لے اور اس کے حصول کی کوشش میں لگ جائے تو ایسے ہی بندے ولی اللہ بنتے ہیں مثلاً فرمایا: رجال لا تلهیهم تجارة ولا بیع عن ذکر الله (النور۔37)

''مرد وہ ہیں جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتی''۔

یعنی مال کما رہے ہیں، سودا بیچ رہے ہیں، مگر اللہ کا ذکر پاس انفاس چل رہا ہے کیوں کہ ترجیح مال نہیں اللہ ہے۔ بقول باباجان ڈارؒ

ؔ مرد بن غافل نہ ہو ذکر خدا سے پیار رکھ
ہاتھ پاؤں کام میں اور دل کو سوئے یار رکھ

یا ایها الذین اٰمنو لا تلهکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر الله (المنافقون۔9)

''اے ایمان والو! تمہیں تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں''۔

یعنی دنیاوی پھندے و لذائذ (مال و اولاد) حقیقت نہیں ہیں، ان میں پھنس کر ترجیح اوّل سے پہلوتہی کا امکان ہے اس سے خبردار کیا ہے۔

اگر چہ یہ کام اتنا آسان نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ زندگی کا سب سے مشکل کام اگر ہے تو یہی ہے۔ ایک طریقہ مگر اس کو سہل بنا دیتا ہے جو اللہ کا کرم اور اس کی مدد ہے جس کے حصول کا طریقہ بھی خود خدا بتاتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم اور بمصداق حدیث ''بندہ ایک قدم خدا کی طرف آتا ہے تو خدا دس قدم اس کی طرف آتا ہے''۔ تبتل الیه تبتیلا کا بھی یہی مطلب ہے۔ ایسے سالک کے دل و دماغ میں ہر وقت اللہ کا تصور موجزن رہتا ہے۔ پھر اسے

نبی کریم ﷺ کی اللہ سے رابطے والی کیفیت کا ادنیٰ سا احساس ہوتا ہے جس کے بارے میں اُم المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ آپ ﷺ ہر لحظہ اللہ کی یاد میں مگن رہتے تھے۔ اور یہ بھی سمجھ آتی ہے کہ "دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے" کا کیا مطلب ہے۔ مزید یہ کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنی مثال اس مسافر کی سی کیوں بیان فرمائی اور دنیا کو راستے میں موجود ایک درخت کا سایہ، کہ گزرتا ہوا مسافر چند گھڑیاں وہاں ستاتا ہے اور پھر آگے بڑھ جاتا ہے، اس پر واضح ہو جاتا ہے۔

ایسے سالک کو خدا سے ملاقات کے لیے حشر کا انتظار ایسے ہوتا ہے بالکل اسی طرح جیسے کسی پوزیشن ہولڈر کو نتیجے کے دن کا۔

ترجیح کا تعین سب سے پہلے ذہن کرتا ہے جس کے بعد اس کی جھلک عمل میں بھی نظر آتی ہے۔ جس طرح عام آدمی سارا دن کاروبار یا نوکری کرتا ہے۔ اذان سن کر نماز پڑھنے جاتا ہے اور واپس پھر اپنے کام پر آجاتا ہے۔ اس کا ظاہری عمل اسے ایک اچھا مسلمان ثابت کر رہا ہے مگر جب اس کی ترجیح کا تجزیہ کیا جائے تو وہ نوکری یا کاروبار ہی ہے۔ نماز کے لیے جانا ایک میکانکی عمل یا ایک عادت کا درجہ اختیار کر چکا ہے۔ اس کے برعکس سالک نوکری یا کاروبار کو ایک عادت، میکانکی عمل یا حکم سمجھ کر کرتا ہے اور خدا کی یاد کو اپنے ذہنی صلاحیتوں کا مرکز و محور بناتا ہے اس سے اس کی دنیا کا کوئی حرج نہیں ہوتا بلکہ پھر وہ ایک عام دنیا دار سے اچھا کماتا اور رکھتا ہے۔ ان کے اندرونی و قلبی رابطے دنیا سے نہیں بلکہ خدا سے استوار ہوتے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمارے مرشد بانی سلسلہؒ نے ہمیں ایسا گر بتا دیا ہے کہ جو نتائج کے اعتبار سے اکسیر سے بھی بڑھ کر ہے۔ آپ کی نسبت اور اس نسخے پر عمل کے ذریعے درجہ احسان والی کیفیات کا حصول آسان تر ہو جاتا ہے۔

خلاصہ کلام سب سے پہلے اپنے مقاصد طے کرنے ہیں پھر اخلاص اور مضبوط قوت ارادی کے ساتھ مرشد کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ذکر سے آغاز کرنا ہے۔ سارا دن دنیا میں رہنا ہے مگر دنیا کو اپنے اندر نہیں رکھنا وہاں صرف ایک ہی ہستی کی جگہ ہے اور وہ اللہ ہی ہے۔ بقول غالب۔

کو میں رہا رہینِ ستم ہائے روزگار   لیکن تیرے خیال سے غافل نہیں رہا

احمد رضا خان مدیر

حمد باری تعالیٰ

اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو
پوچھا گل سے یہ میں نے کہ اے خوبرو! تجھ میں آئی کہاں سے نزاکت کی بُو
یاد میں کس کی ہنستا مہکتا ہے تو! ہنس کہ بولا کہ اے طالبِ رنگ و بو
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

عرض سنبل سے کی میں نے اے مشک بو! کر کے صبح کو شبنم سے تازہ وضو
جھوم کر کونسا ذکر کرتا ہے تو! سن کہ کرنے لگا دم بہ دم ذکر ہو
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

جب کہا میں نے بلبل سے اے خوش گلو! کیوں چمن میں چہکتا ہے تو چار سو
دیکھ کر گل کسے یاد کرتا ہے تو! بول اُٹھا وہ وجد میں وحدہ' وحدہ'
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

جب پپیہے سے پوچھا کہ اے نیم جاں! یاد میں کس کو کہتا ہے تو ''پی کہاں''
کون ہے پی ترا کیا ہے نام ونشاں! بول اٹھا وہی بس جس پہ شیدا ہے تو
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

میں نے قُمری سے کی جا کے یہ گفتگو ۔گاتی رہتی ہے کوکو تو کیوں کوبکو
ڈھونڈتی ہے کسے کس کی ہے آرزو بولی سن میرا نغمہ ہے حق سرِ ہو
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

آگے جگنو جو چمکا میرے روبرو! عرض کی میں نے اے شاہدِ شعلہ رُو
کس کی طلعت ہے تو کس کا جلوہ ہے تو! یہ کہا جس کا جلوہ ہے ہر چار سُو
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

میں نے پوچھا یہ پروانے سے دُبدُو، کس لیے شمع کی لُو پہ جلتا ہے تو
شعلہ نار میں کس کی ہے جستجو ، جلتے جلتے کہا اُس نے کہ یا نور ہُو
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

اعظمیؔ گرچہ بے حد گناہ گار ہے ، مجرم و بے عمل ہے خطا کار ہے
حق تعالیٰ مگر ایسا غفار ہے ، اُس کی رحمت کا نعرہ ہے لا تقنطُو
اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو اللّٰہ ھُو

عبدالمصطفیٰ اعظمیؔ

قوت ارادی اور ہماری عبادات

(شیخ سلسلہ توحیدیہ محمد یعقوب خان توحیدی)

نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض کی گئی ہے۔ یہ کیوں؟ وقت کی پابندی میں اصل بات ہے۔ نماز تو آگے پیچھے بھی پڑھ سکتے ہیں، ہو بھی جاتی ہے لیکن "کتاباً موقوتا" والی بات کہ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ پڑھیں۔ یہی قوت ارادی مضبوط کرنے کی ابتداء ہے۔ ہم پر ایک چیز اللہ کی طرف سے فرض کی گئی ہے اور ہم نے اس کو اسی وقت کرنا ہے۔ حج کے مخصوص ایام ہیں، انہی دنوں میں حج ہوتا ہے۔ آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ ورنہ آپ ماہ محرم میں جا کر حج کر لیں یا رمضان میں حج کر لیں۔ چیزیں تو ساری ادھر ہی ہیں، اسی طرح رمضان شریف کے روزے رمضان ہی میں رکھتے ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ جو افادیت اور اہمیت رمضان شریف کے روزے کی ہے وہ پورے سال کے روزوں کی نہیں ہے یہ وہ ساری باتیں ہیں جو ہماری قوت ارادی کو بڑھانے کے لیے ہی مقرر کی گئی ہیں، یا کم از کم انہیں قوت ارادی کے حصول میں ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔ مثلاً ٹھیک وقت پر نماز پڑھنی ہے۔ سو کام کاج ادھر ادھر کے جن میں ہم پھنسے ہوئے ہیں لیکن نماز کا وقت ہوا۔ اذان سنی۔ اور سب کو چھوڑ کر اللہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ سب کچھ چھوڑ کر مسجد حاضر ہوئے۔ یہ will power ہے اس سے ہماری قوت ارادی بڑھتی ہے۔ اسی طرح تمام نمازوں کے اوقات بہت اہم ہیں۔ سردیوں کے موسم میں نماز فجر کے لیے اٹھنا، نماز ظہر جو آپ کے کام کا peak کا وقت ہوتا ہے اور کام کرتے ہوئے کام کو چھوڑ کر نماز کے لیے آنا مشکل ہوتا ہے اور عصر کا وقت جب بھاگم بھاگ ہوتی ہے کہ کس طرح اپنے کام کو اختتام کی طرف لے جائیں۔ یہ کام ختم ہو جائے وہ کام بھی ختم ہو جائے کیونکہ دن ختم ہونے کو ہوتا ہے۔ اسی طرح مغرب کے وقت بندہ تھکا ہارا جا کر لیٹتا ہے اور ساتھ ہی نماز مغرب کا بلاوہ آ جاتا ہے۔ موذن اللہ اکبر کہتا ہے۔ اور نماز مغرب کے بعد

بندہ کھانا کھا کے غنودگی کا شکار ہوتا ہے اور سونا چاہتا ہے مگر پھر اسے بارگاہِ الٰہی سے بلاوہ آجاتا ہے یہ ساری باتیں جن کو کرنے میں وقت کا سامان کرنا پڑتا ہے اور خاص طور پر اگر کوئی نیا شروع کرنے والا ہو تو اسے بہت ہی مشکل پیش آتی ہے۔ لیکن جو روٹین میں آجائے اس کے لیے کوئی دقت نہیں۔ پھر وہ feel ہی نہیں کرتا کہ اس نے کچھ کیا ہے۔ وہ ہر کام وقت پر کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ بہر حال قوت ارادی کے بغیر کام نہیں چلتا، یہ بہت ضروری ہے۔ اس کے حصول کے لیے شیطان سے سخت مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

اسلام کی تقریباً سبھی عبادات میں کسی نہ کسی حد تک اپنی مرضی کے خلاف کام کرنا پڑتا ہے یعنی شیطان سے مقابلہ کرنے کا موقع ملتا رہتا ہے۔ ایک بڑا پرانا اصول ہے کہ طاقت ہمیشہ مقابلے سے پیدا ہوتی ہے۔ غالباً شیطان کی پیدائش بھی اسی غرض سے اللہ تعالیٰ نے کی ہے، مسلمان ست پڑے سوتے نہ رہیں بلکہ ایک ازلی دشمن کا خوف ہر وقت ساتھ رہے اور اس سے بچنے کی تدابیر ہوتی رہیں۔ اللہ کے احکام پر عمل ہوتا رہے اور اللہ کی طرف قدم بڑھتے ہی رہیں۔ بانی سلسلہ توحیدیہ قبلہ انصاری صاحبؒ نے بیعت ہونے سے پہلے سال، چھ ماہ طالب رکھنے کا جو طریقہ رکھا ہے اس سے بھی بڑا فائدہ یہ ہے کہ طالب کو تصوف سیکھنے کے لیے پہلے اچھا مسلمان ہونا چاہیے۔ ایک اچھے مسلمان کی حیثیت سے جب سال، چھ ماہ نیک اور پاک صاف زندگی گزارے گا تو پھر بیعت ہو کر تصوف کے سلیبس پر عمل کرنا اس کیلئے آسان ہو جاتا ہے۔

جو بھائی سلسلے کی تعلیم پر عمل پیرا ہیں ان کی Will Power مضبوط ہوتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شریعت کے مطابق زندگی گزارتا ہے اور ساتھ تصوف کے نصاب پر بھی عمل پیرا ہوتا ہے اس کی Will Power کسی بھی دوسرے آدمی سے کہیں طاقتور ہوتی ہے اور یہی Will Power دوسرے بھائیوں کو فیض پہنچانے میں بھی مددگار ثابت ہوتی اور کام آتی ہے۔ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگان اسی Will Power سے بیماریوں کا علاج بھی کرتے تھے، صرف ارتکاز خیال مزید بڑھانا پڑتا ہے۔

عالمگیر محبت اور صداقت' مومن کا گھر جنت کا نمونہ

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

مجاہدے کی بابت میں نے آپ کو صرف یہ بتایا ہے کہ دو چیزیں چھوڑ دیجیے اور دو اختیار کر لیجیے۔یعنی غصہ اور نفرت چھوڑ دیجیےاور ان کی جگہ عالمگیر محبت اور صداقت یعنی حق کو اختیار کر لیجیے ان کا مفصل بیان ''تعمیر ملت'' اور ''طریقت توحیدیہ'' میں دیکھیے۔ یہاں تو صرف یہ بتانا ہے کہ ہمارے اہل حلقہ نے ان باتوں پر کہاں تک عمل کیا ہے۔چنانچہ میں یہ بات کسی قدر وثوق بلکہ فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ اس بارے میں اہل حلقہ کی اکثریت نے کمال کر دکھایا ہے۔یعنی حلقہ کے بیس پچیس فیصد آدمی ایسے ہیں جنھوں نے غصہ کو بالکل نفی کر دیا ہے یعنی غصہ پر قابو پا لیا ہے۔ ساٹھ ستر فیصد آدمی ایسے ہیں جن کا غصہ بہت ہی کم ہو گیا ہے صرف دس بارہ فیصد آدمی ایسے ہیں جن کا غصہ بالکل کم نہیں ہوا۔اور یہ وہی لوگ ہیں جو حلقے کی تعلیم پر مطلق عمل نہیں کرتے۔ان لوگوں سے تو کچھ کہنا ہی فضول ہے۔لیکن جن کا غصہ کم ہو چکا ہے اور وہ واقعی اس کو نفی کرنا چاہتے ہیں ان کو بتانا چاہتا ہوں کہ غصہ نفی کرنے کی مشق ان کے اپنے گھر میں ہی اچھی طرح ہو سکتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غصہ عام طور پر اپنے سے کمزور اور اپنے دست نگر لوگوں ہی پر آتا ہے۔اپنے سے بڑے اور طاقت ور لوگوں پر تو غصہ صرف انہی کو آ سکتا ہے جو بالکل ہی پاگل ہوں۔تو آپ کو بھی غصہ اپنی بیویوں اور بچوں پر ہی آتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جتنی مرتبہ آپ کو غصہ آئے اتنی ہی مرتبہ آپ کو غصہ کم کرنے کی مشق کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔اس لیے آپ یہ مشق گھر ہی سے شروع کریں اور اپنی بیویوں اور بچوں پر غصہ نہ کیا کریں۔اگر آپ ان کی اصلاح کے لیے ان پر غصہ کرنا بجا سمجھتے ہیں تو یہ آپ کی خام خیالی ہے۔اصلاح تو صرف پیار و محبت اور مصلحت و حکمت سے ہی ہو سکتی ہے۔سختی اور غصہ سے تو کام اور بگڑ جاتا ہے۔دیکھئے مسلمان کے گھر کو نبی

کریم ﷺ نے حرم فرمایا ہے۔حرم میں کیا ہوتا ہے؟ نہ کوئی کسی کو قتل کر سکتا ہے' نہ مار پیٹ کر سکتا ہے' نہ سخت آواز ہی سے بول سکتا ہے تو حرم کہنے سے حضور اکرم ﷺ کا مطلب یہی ہے کہ ایک مسلمان گھر میں کامل سکون' اطمینان' مسرت' خوشی اور امن وامان ہونا چاہیے۔ ایسے گھر جنت کا نمونہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ یہی فرماتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ "جو لوگ جنت میں ہوں گے وہ وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔" (سورۃ الغاشیہ) سورہ واقعہ میں ہے کہ "وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے نہ گالی گلوچ"۔ سورہ نساء میں ہے کہ "وہ وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے۔ نہ جھوٹ اور خرافات۔" غور کیجیے کہ جہاں بکواس تک بھی نہیں ہوگی وہاں لڑائی جھگڑے اور مار پیٹ کا بھلا کیا کام۔ ویسے بھی غور کیجیے کہ جس گھر میں مار پیٹ اور لڑائی جھگڑا رہتا ہو وہاں بچے کیسے اٹھیں گے۔ وہ ڈرے سہمے' چڑچڑے، بداخلاق' کم حوصلہ یا ایک جملہ میں یوں کہیے کہ شرافت سے بالکل عاری ہوں گے اور بڑے ہو کر بھی ذلیل وحقیر ہی رہیں گے اور اس کی ذمہ داری ماں باپ پر ہوگی۔ بلکہ باپ پر زیادہ ہوگی کیونکہ باپ عام طور پر تعلیم یافتہ' جہاں دیدہ اور تجربہ کار ہوتے ہیں۔ وہ چاہیں تو بیویوں کی سو فیصدی اصلاح کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر چاہیں کہ مار پیٹ اور لڑائی جھگڑے سے اصلاح کر لیں تو یہ ناممکن ہے۔

کچھ لوگ حلقہ میں ایسے بھی ہیں جو غصہ کے علاوہ بیویوں سے نفرت بھی کرتے ہیں یا ان کو پسند نہیں کرتے۔ یہ بہت ہی ناسمجھ لوگ ہیں۔ نفرت اگر صورت وشکل سے ہے تو یہ بات شادی سے پہلے دیکھنے کی تھی۔ شادی کے بعد اور خصوصاً کئی سال بعد نفرت پیدا ہو جانا عجیب سی بات ہے۔ میرے خیال میں تو یہ بات خود مردوں کے چلن کی خرابی اور اوباشی کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ نفرت اگر عورت کی عادتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے تو اس کی بابت میں ابھی بتا چکا ہوں کہ عادتوں کی اصلاح کی زیادہ ذمہ داری مرد پر ہی عائد ہوتی ہے۔ صبر' محبت اور حکمت ومصلحت سے کام لیا جائے تو عورت کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنا کچھ بھی دشوار نہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ "عورت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لیے اس کی خلقت ہڈی کی طرح

ٹیڑھی ہے۔اس کوزیادہ نہ دباؤ ورنہ ٹوٹ جائے گی۔“ دیکھیے کتنا حکمت آموز کلام ہے۔اب اس پر عمل کرنا یا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔بہر حال اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا گھر جنت کا نمونہ ہو تو اس کے لیے آپ کو خوب محنت کرنی پڑے گی۔صرف سوچتے رہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔آپ کو صبر کرنا ہوگا۔خود اپنی بری عادتیں بدلنی پڑیں گی،غصہ کو نفی کرنا ہوگا اور یہ جو کچھ بھی آپ کریں گے اس سے خود آپ ہی کو فائدہ ہوگا۔دماغ و دل کو راحت ملے گی۔اطمینان قلب حاصل ہوگا جس کی وجہ سے آپ کے دنیوی کام آسان ہو جائیں گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی۔

غصہ اور نفرت کے متعلق جو کچھ لکھا گیا میرے خیال میں ایک طالب صادق کے لیے کافی زیادہ ہے۔لیکن جو لوگ اپنی اصلاح کرنا ہی نہیں چاہتے ان کے لیے اگر اس سے ہزار گنا زیادہ بھی لکھا جائے تو بھی فضول ہے۔اب ایک نظر اس بات پر بھی ڈالنی چاہیے کہ اہل حلقہ نے عالمگیر محبت اور صداقت و حق کو اختیار کرنے میں کیا کچھ کیا ہے تو جہاں تک محبت کا سوال ہے میں کافی مطمئن ہوں لیکن اختیارِ حق کے معاملہ میں ہمارے حلقہ کی اکثریت ابھی بہت پیچھے ہے۔اس میں ترقی کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔”طریقت توحیدیہ“میں میں نے لکھا ہے کہ جہاں محبت اور حق کا مقابلہ آن پڑے تو محبت کو قربان کر دو اور حق پر ڈٹ جاؤ خواہ اس میں کیسی ہی تکلیف اٹھانی پڑے محبت ایک میٹھی چیز ہے اور اس کے اختیار کرنے میں مزہ ہی مزہ ہے۔لیکن ”حق“ کڑوا ہوتا ہے اور اس کو اختیار کرنا مشکل ہے۔تاہم محبت کے مقابلہ میں اگر حق کو اختیار نہ کیا جائے تو یہ نظام عالم دو دن میں تباہ ہو جائے۔اس لیے آپ کو حق پر چلنے اور قائم رہنے کی بھی سخت کوشش کرنی چاہیے۔لیکن اس میں آپ کو اس بات کا بہت خیال رکھنا چاہیے کہ آپ حق پر ہیں بھی یا نہیں۔اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ ایک بات کو حق سمجھتے ہیں حالانکہ وہ حق نہیں ہوتی اور آپ غلطی کر بیٹھتے ہیں۔مثلاً آپ کا افسر یا شیخ حلقہ آپ کو حکم دیتا ہے جو آپ کو ناجائز معلوم ہوتا ہے،اس وقت آپ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہیے۔ایسے وقت پر آپ کو یہ سوچنا چاہیے کہ انسان جب کسی

ادارے میں داخل ہوتا ہے تو قدرتاً یا حقیقتاً وہ یہ عہد کرتا ہے کہ اس ادارے کے تمام قوانین وقواعد پر عمل کرے گا (سوائے ان لوگوں کے جو شامل ہی جاسوسی اور بغاوت پھیلانے کے لیے ہوئے ہوں) اس طرح وہ اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے کہ اپنے سربراہوں کا ہر حکم مانے گا۔ پس جب کبھی متذکرہ بالا قسم کی الجھن پیش آئے تو اس کو یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس کے لیے ''حق'' یہ ہے کہ اپنے سربراہوں کا حکم مانے۔ یہ حکم غلط ہے یا صحیح' اس کی ذمہ داری اس پر نہیں بلکہ اس کے سربراہوں اور حکم دینے والوں پر ہے۔ دراصل یہ فلسفہ اخلاق کا ایک بہت ہی پیچیدہ مسئلہ ہے یہاں اس پر سیر حاصل بحث ناممکن ہے۔ اس لیے جس کسی بھائی کو شوق ہو مجھ سے زبانی گفتگو کر کے سمجھ سکتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ حلقہ کی تنظیم و تعلیم پر کافی تبصرہ ہو گیا۔ جو لوگ واقعی کچھ کرنا اور فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں ان کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک بات اور بتانی ہے اور وہ یہ کہ جس کسی نے غصہ جیسے دیو کو زیر کرلیا تو اس کی قوت ارادی اتنی طاقتور ہو جاتی ہے کہ وہ باقی برائیوں کو بھی دور کرسکتا ہے۔ اس لیے <u>ہر طالب صادق کا فرض ہے کہ وہ خود اپنی خامیوں اور برائیوں پر نظر رکھے اور قوت ارادی کی مدد سے ان کو دور کرے۔ ان شاء اللہ وہ منزلِ مقصود پر بخیر وخوبی پہنچ جائے گا۔</u>

آیئے! اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور توسل سے ہمارے حلقہ کے ہر آدمی کو صراط المستقیم پر قائم رکھے۔ دین اور دنیا دونوں کی نعمتوں سے سرفراز کرے اور اپنا قرب و دیدار عطا فرمائے۔ ہم سے خلق خدا کی خدمت و ہدایت کا کام لے اور ہمارا انجام بخیر کرے۔ آمین یا رب العالمین

عبادات کی اہمیت

(محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

دین اسلام میں داخل ہونے والے انسان کے لیے اللہ نے جن خاص عبادات کی پابندی لازمی یعنی فرض قرار دی ہے وہ اس میں اللہ کی حاکمیت کا احساس زندہ رکھتیں اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے سے بچاتی ہیں۔ایک مومن کے لیے لازمی ہے کہ وہ اپنے ربّ کا ذکر کثرت سے کرے، اللہ کے رسول ﷺ کا اتباع کرے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور متاعِ ارضی کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرے اور اس کی مخلوق کی خدمت کو اپنا شعار بنائے۔ لازمی عبادات میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی پابندی کے لیے قرآن میں سینکڑوں مرتبہ تاکید کی گئی ہے۔اللہ کے رسول ﷺ نے اسے ایمان کی پہچان، مومن کی معراج اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔روزہ، زکوٰۃ اور حج تو سال میں ایک مرتبہ ادا کیے جاتے ہیں اور ان میں بھی زکوٰۃ اور حج صاحب استطاعت لوگوں پر ہی فرض ہیں لیکن نماز ایسی عبادت ہے جو ہر روز پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اور کسی بھی حالت میں اس سے رخصت نہیں اور زندگی کے آخری لمحات تک اس کی پابندی لازمی ہے۔اس عبادت میں جو حکمت پوشیدہ ہے ذرا اس پر غور فرمائیں۔جب ایک مومن پابندی کے ساتھ پانچ وقت اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرتا ہے تو اوپر بیان کیے گئے تمام محاسن کی تربیت میں گزرتا ہے۔وہ اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کر کے اذان کی آواز پر لبیک کہتا ہوا اللہ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔وہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی نیند، راحت، آرام، کام کاج، گھربار، مال و منال اور آل اولاد کی محبت کو توڑ کر اللہ کے حضور پیش ہو کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کی وفا کا قبلہ اور محبت کا مرکز صرف اللہ کی

ذات ہے ۔نماز کے دوران قیام و رکوع و سجود میں بار بار اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرنا، اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنا اور اس کی عظمت و کبریائی کے سامنے بصد عجز و نیاز اپنی پیشانی سجدے میں رکھ دیتا ہے ۔دنیوی مقام و مرتبہ کے امتیاز کے بغیر ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اخوت و مساوات کا عملی سبق سیکھتا ہے ۔دن میں پانچ مرتبہ دوسرے بھائیوں سے مل کر ان کے دکھ سکھ سے آگاہ ہونا اور حتی المقدور ان کی خدمت اور مدد کرنا ہے چونکہ آخرت کی زندگی میں جنت کا داخلہ اسی صورت میں ممکن ہوگا، جب نفس اور جسم کو بھی اللہ کی اطاعت پر لگایا جائے ۔اسی لیے شریعت میں ان سب کی اصلاح کا انتظام بڑی حکمت سے کیا گیا ہے نماز اور کثرت ذکر سے روح کو غذا ملتی ہے اور قلب اطمینان پاتے ہیں ۔دل کی نورانیت سے نہ صرف نفس کی اصلاح ہوتی ہے بلکہ جسم کی جلد بھی نرم ہو کر ذکر میں لگ جاتی ہے ۔نماز کے علاوہ رمضان المبارک کے روزے تزکیہ نفس کے لیے سالانہ تربیتی کورس کیلئے نہایت مفید ہیں ۔زکوۃ مال و دولت کی محبت کو توڑنے کا ذریعہ ہے اور حج رنگ و نسل اور ملک و زبان کے بتوں کو توڑ کر وحدت انسانیت اور اسلام کی عالم گیریت کا عملی مظاہرہ ہے ۔

نقوشِ مہر ووفا

(فرمودات قبلہ بابا جان محمد صدیق ڈار صاحب توحیدیؒ)

(مرتب: سید رحمت اللہ شاہ)

بابا جانؒ فرمانے لگے کہ ہمارا ایک وارنٹ افسر تھا، GCI تھا، اس نے کوئی غلطی کردی۔ اسے صاحب نے اندر بلالیا اور خوب باتیں کیں کہ یوں ہے اور یوں۔ یہ ساتھ Attention کھڑا ہے اور وہ لگا ہے بک بک، بھک بھک کرنے۔ واپس آ گیا۔ میں نے کہا کہ سناؤ۔ کہنے لگا کہ بھائی جان آج بڑی بے عزتی کی، بڑا بولتا رہا۔ ہم نے بھی ایک سیکنڈ ضائع نہیں کیا۔ تار اپنے مولی سے ملالی اور سنا ہی نہیں کہ کیا کہہ رہا ہے۔ (قہقہے)۔

ہاں جی! تار ملی ہو تو پھر تکلیف کیسی!!!۔ کوئی بات نہیں! جو مرضی ہوتا رہے۔

جیوندیاں مر رہنا ہووے ویس فقیراں رہیئے ہُو
جے کوئی سٹے گودڑ کوڑا وانگ اروڑی سہیئے ہُو

بیٹھ جاؤ بس! ٹھیک ہے۔ اس کی حکمت کے بغیر تو کچھ ہوتا نہیں ہے۔ ہاں جی ایسا ہی ہے فارمولا جو ہے، وہ یہی ہے۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے چراغِ راہ میں بڑی تفصیل سے باتیں لکھی ہیں کہ غربت ہو تو کیسے رہیں۔ لگتا مشکل ہی ہے۔ باباجیؒ نے بھی کہا کہ لگتا تو مشکل ہی ہے کہ جیسے بندہ خوشحالی میں، دولت میں خوش رہتا ہے، ویسے غربت میں بھی خوش رہے یہ مشکل اور ناممکن لگتا ہے لیکن یہ ناممکن تو کیا مشکل بھی اتنا نہیں ہے۔ ہزاروں نے کیا ہے۔ ہزاروں کر رہے ہیں۔ آگے بھی کرتے رہیں گے۔ اس میں کوئی مشکل بھی نہیں ہوتی۔

غربت جو ہے یہ آپ کے دماغ کا کیا ہوا Comparisson ہے!۔ آپ کسی اچھی حالت والے کو اپنی حالت کے ساتھ Compare کرتے ہیں، پھر آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔

حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ نیچے دیکھو۔ہم کہتے ہیں کہ اوپر دیکھنا ہے۔ نیچے دیکھوتو سکون آئے گا۔ہزاروں، لاکھوں لوگ ہیں۔اللہ تیرا شکر ہے کہ میں لاکھوں لوگوں سے اچھا ہوں حضورعلیہ السلام نے فرمایا کہ جس کو چھت مل گئی، بیوی مل گئی، اور ایک نوکر کام والا مل گیا، اس کو مکمل دنیا مل گئی۔اس کو پوری دنیا مل گئی۔یہ دنیا ہی ہے اور دنیا کیا ہے؟ روٹی، کپڑا، مکان۔یہ تھوڑا ہے کہ تجھے بنگلہ بھی دینا ہے۔تجھے روٹی مل گئی ہے۔سوکھی روٹی ہاتھ میں پکڑا دی ہے، اب یہاں بیٹھ، یہی وعدہ تھا۔اب موج کر۔حضورﷺ نے فرمایا کہ چھت موجود ہے، بیوی ہے، کام کرنے والا نوکر ہے۔اس کو پوری دنیا دے دی۔اب یہ نہیں کہ اچھا اور اچھا۔یہ تو اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ والی بات ہے۔اس میں تو بندہ پھنس جاتا ہے۔فرمایا کہ یہ شیطان کا کام ہے۔اگر یہ کرے کہ میں اِدھر، میں اُدھر۔

کسی صحابی نے جنہیں کہیں جانے کی جلدی تھی فرمایا کہ یا رسول اللہﷺ دنیا کے کاموں میں بندہ کتنا مصروف ہو جائے۔اگر دین میں کام کریں تو پھر اُدھر کام نہیں ہوتا۔ آپﷺ نے فرمایا کہ یہ بات نہیں ہے۔دنیا کے کام اگر اس لئے بندہ کر رہا ہے کہ میں رزق حلال کماؤں اور کسی کے سامنے مجھے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے تو یہ عین دین ہے۔یہ دین ہی ہے اگر اس لئے محنت کر رہا ہے کہ میرے ماں باپ ہیں، بوڑھے ہیں، میں کماؤں اور ان کو کھلاؤں، ان کی میں خدمت کروں تو یہ عین دین ہے۔یہ دین ہی ہے، یہ نہیں کہ یہ دنیا کے کام ہیں۔ یہ دین ہی ہے۔

اگر اس لئے چل پڑے کہ میں ایسا مکان بناؤں جو شہر والے رُک رُک کر دیکھیں، تو یہ شیطان کا کام ہے۔اگر اس لئے چل پڑے کہ میری گاڑی ایسی ہو کہ لوگ رُک رُک کر دیکھیں کہ یہ گاڑی کس کی ہے، یہ کوٹھی کس کی ہے تو یہ شیطان کا کام ہے۔اب وہ تکبر والی لائن پر چل پڑا ہے کہ میں بڑا کہلاؤں، میں اونچا بنوں۔زمین پر اونچا بننے کی کوشش کرے۔فرمایا کہ یہاں سے شیطان کا کام شروع ہو جاتا ہے۔باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے بھی کہا کہ خوب کماؤ،

خوب کھاؤ، اور خوب اللہ اللہ کرو۔ وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔ دنیا میں لائن ڈالنا بڑا مشکل ہے کہ یہ دنیا ہے اور یہ دین ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ دنیا اور دین کی Term ہی غلط ہے۔ دنیا اور آخرت کی بات کرو۔

فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِيْ الآخِرَةِ .(سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۲۰۱)

یہ سارا دین ہے۔ دنیا اچھی ہو، یہ دین ہے۔ بری دنیا دین نہیں ہے۔ اچھی دنیا دین ہے۔

رَبَّنَا آتِنَا فِيْ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِيْ الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ .
(سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت ۲۰۱)

دنیا میں بھی اچھا ہی ہو۔ میں نے اس سال کے خطبہ میں یا پچھلے سال کے خطبہ میں لکھا تھا کہ بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس دنیا میں بھی جنت ہے، جو اس میں داخل نہیں ہو گا، آگے بھی داخل نہیں ہو گا۔ یہاں بھی ہے۔ یہ پریم ہی پریم ہے، کوئی دکھ نہیں۔

؎ جنت آں باشد کہ آزارے نہ باشد

جہاں کوئی تکلیف نہ ہو، وہ جنت ہے۔ یہ دنیا ہی واقعی جنت ہے۔ باباجیؒ (حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ) نے بھی کہا کہ ایسا اخلاق ہو جائے کہ یہ دنیا ہی جنت بن جائے۔ پیار والے اور محبت والے بندے بن جائیں، کسی کا برا نہ چاہیں، نہ سوچیں، نہ کریں۔ سارے خدمت کرنے والے بن جائیں، یہ دنیا ہی جنت ہو جائے گی۔ اس دنیا کو ہی جنت بنالیں، یہ بن سکتی ہے۔ آپ بن جائیں گے تو یہ دنیا بن جائے گی۔ دنیا کو تسکین دینے والے بن جائیں، آپ کو دنیا کو یہ تعلیم دینی ہے۔ اس کو کرنا ہے۔ یہ کردار سے ہو گی۔ یورپ میں جو لوگ یہ خودکشیاں کر رہے ہیں، یہ سب اپنے اعمال کی وجہ سے ہے۔

؎ جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہو گا۔

ہم اُن کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، ان کی ثقافت اور ان کو اپنانا چاہتے ہیں، اور یہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں اس کی قدر ہی نہیں ہے۔ باباجیؒ نے کہا کہ ہمیشہ خوش رہا کرو۔ ایک فقیر ہی ہے جو خوش ہے باقی ساری دنیا جہاں، یہ بادشاہت، یہ ارب پتی اور یہ سب کچھ جو ہیں، کسی کو سکون نہیں ہے۔ سب کو مسائل ہی مسائل ہیں۔ صرف ایک فقیر ہی خوش ہے، جو اپنی زندگی کو اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ باباجیؒ نے قاسم خانؒ کو خط لکھا تھا کہ یہ مصیبتیں اگر نہیں چھوڑتیں، یہ مسائل اگر نہیں چھوڑتے، تو تم ہی ان کو چھوڑ دو۔ مطلب ہے کہ ان کی پرواہ نہ کرو۔ آجاؤ اس لائن پر، اس کو کرنا پڑے گا۔ اس پر آجاؤ۔ خدا سے دوستی کرلو۔ آپ جیسے کرتے ہیں پھر وہ راضی ہی راضی ہے۔ سب نے پنجابی والوں نے یہ کہہ دیا:

جنہاں دُکھاں تے دلبر راضی، اُنہاں تے سُکھ وارے۔

وہ تو اللہ سے پیار میں لگے پھرتے ہیں، انہیں کیسا مسئلہ۔ ہمیں یہ دے، ہمیں وہ دے، یہ کیا ہے؟ ہم آخری شعر جو شجرہ کا پڑھتے ہیں وہ یہی بات ہے:

نمی گویم کہ ایں دہیا تو آں دہ

میں نہیں کہتا، مگر کہتے ہم سارے ہیں۔ شعر ہم پڑھتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے۔

حاجی رود بہ کعبہ

(طارق محمود)

حاجی رود بہ کعبہ و من طالب دیدار

او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

مکہ کے شب و روز:

مکہ آمد اور ایام حج میں تقریباً تین ہفتے کا وقفہ تھا۔ سننے میں آیا کہ حج سے پہلے مدینہ لے جایا جائے گا۔لیکن اس کے لیے وقت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔معاون حجاج بھی کچھ بتانے سے قاصر تھے۔

ہوٹل سے بسیں حرم تک تھوڑے تھوڑے وقفے سے چلتی رہتی تھیں۔حرم میں دو، تین نمازوں کا معمول چلتا رہا۔موسم کی شدت ہوٹل اور حرم کے علاوہ کہیں جانے کا حوصلہ ہی پیدا نہیں ہونے دے رہی تھی۔اس لیے زیارات خصوصاً غار حرا، غار ثور، جنت المعلیٰ کو حج کے بعد کے دنوں تک ملتوی رکھا تا کہ موسم کے اثرات سے بچا جا سکے۔اور ایام حج میں صحت کا کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔

بد نظمی کا پہلا منظر:

حرم آنے جانے کے لیے بسیں ہوٹل سے شاہراہ اجیاد پر اتارتی تھیں (عزیزیہ میں رہنے والوں کے لیے)واپسی پر اپنی بلڈنگ کے نمبر کی بس کھڑی ہوتی تھی۔ دو دن تو سب ٹھیک رہا پر تیسرے دن عشاء کے بعد مقررہ stop پر پہنچے تو پتہ چلا کہ اب ہوٹل والی بسیں حرم سے کچھ دور ایک سٹاپ پر رکا کریں گی۔اور وہاں سے دوسری بس میں حرم لے جایا جائے گا۔مقصد اس انتظام کا یہ تھا کہ حرم کے قریب بسوں کی قطار کی بجائے ایک ایک کر کے بسیں زائرین کو لاتی اور لے جاتی رہیں۔مقررہ بس سٹاپ پر پہنچے تو ایک جم غفیر سٹاپ پر موجود تھا۔بسوں کی قطار کے

باوجود دھکم پیل کا روایتی منظر! بس میں بیٹھنے کے لیے ایک ہنگامہ، احتجاج اور شور شرابا، اگرچہ بسیں مسلسل ایک قطار کی صورت چلتی جا رہی تھیں۔ مگر بے صبری، اور بے تحاشا رش کی وجہ سے بدنظمی حاوی تھی۔ نماز کے آدھے گھنٹے بعد تک حرم سے نکلنے والا ہجوم ہر معقول سسٹم کو ناکام بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے حرم حاضری کو نماز کے اوقات کے مطابق پلان کرنا شروع کر دیا اور بہت حد تک آرام میں رہے۔

گروپ کا شیرازہ:

پہلا قیام مکہ تقریباً ایک ہفتے کا تھا۔ گروپ کے چاروں افراد یعنی میں، منصور اور دونوں کی بیگمات، کی آمد و رفت اکٹھے ہی ہوا کرتی تھی۔ حرم پہنچ کر خواتین کو دوبارہ یکجا ہونے کا مقام اور وقت بتا دیا جاتا تھا۔ میں اور منصور بھی اپنے طور پر اپنی اپنی مصروفیات جاری رکھتے تھے۔

میرا موقف تھا کہ حرم میں آنے کے بعد ایک دوسرے کا دھیان رکھنے سے توجہ بٹتی ہے اور اپنی حاضری مشکوک ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ایک وقت مقرر کر کے کسی ایک جگہ پر اکٹھا ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ اکٹھے نقل و حرکت میں ایک بڑی کوفت اس وقت ہوتی ہے جب رش میں ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں۔ اکٹھے رہنا مجبوری ہو گی جب رابطے کے ذرائع موجود نہ تھے۔ کسی کو طواف کا ذوق شوق زیادہ، کسی کو نوافل کا، تو ہر کوئی اپنی منشاء کے مطابق وقت گزارے تو کیا ہرج!!

منصور کا موقف کچھ مختلف تھا۔ ان کے خیال میں خواتین کا محرم کے بغیر طواف اور سعی کرنا جائز نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ محرم کی شرط پوری نہ کر کے یہ بجائے ثواب کے، پھٹکار کی مستحق ٹھہریں بہرحال، واپسی کے لیے وقت اور مقام والا طریق کار جاری رہا۔ دو ہفتے بعد شاید منصور کا صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ایک دن مغرب کی نماز کے بعد مکہ ٹاور کی سکرین کے سامنے اکٹھے ہونے کا طے ہوا۔ مغرب کی نماز کے کچھ دیر بعد میں اور منصور مقررہ جگہ پہنچ گئے۔ خواتین بھی آ گئیں۔

اب منصور کا خیال تھا کہ موبائل کی سم کا بیلنس لے لیا جائے جو ان کی اہلیہ کے پاس

ہوتا تھا۔ میرا موقف تھا کہ اس وقت رش کی وجہ سے یہ اتنا ضروری نہیں اور اس کو موثر کیا جا سکتا ہے لیکن وہ اپنی اہلیہ کو یہ کہہ کر کہ اس جگہ سے دائیں بائیں نہیں ہونا، مجھے ساتھ لے کر بیلنس لینے چلے گئے۔ جب واپس آئے تو دونوں خواتین وہاں موجود نہ تھیں۔ کچھ دیر تلاش کے بعد ذرا فاصلے پر نظر آئیں تو دیکھتے ہی منصور نے طیش میں آ کر کہا کہ جب میں کہہ کے گیا تھا کہ یہاں سے دائیں بائیں نہیں ہونا تو پھر یہ جگہ کیوں چھوڑی؟

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ آئندہ کے لیے بہتر ہو گا ہم اپنے اپنے طور پر آمد و رفت کو manage کر لیں کیوں کہ اس قسم کی صورت حال سے ان کا بلڈ پریشر بڑھتا ہے۔ بغیر وجہ معلوم کیے اس طرح کے طرزِ عمل کا کوئی جواز تو نہیں تھا پر منصور نے ''ماروں گھٹنا۔ پھوٹے آنکھ'' کے مصداق اس واقعے سے یہ نتیجہ نکالا کہ آئندہ آمد و رفت اپنے اپنے طور پر کی جائے۔ حالانکہ بعد میں معلوم ہوا کہ جس جگہ کھڑا ہونے کو کہا گیا تھا، وہاں سے شرطوں نے ان کو ہٹا دیا تھا۔

منصور کے اس نا مناسب طرزِ عمل پر کوئی ردِعمل دیئے بغیر ہم دونوں نے ان کو سپرد زوجہ کر دیا۔ ایک مسئلہ البتہ پیدا ہوا کہ میرے نام پر صرف ایک سم مل سکی تھی۔ اہلیہ کی انگلیوں کے نشانات کی وجہ سے دوسری سم ملی نہیں۔ پھر بھی ہم نے بغیر موبائل رابطے کے معاملات کو بخیر و خوبی manage کر ہی لیا۔ اکثر اجیاد گیٹ کو ہی اکٹھے ہونے کے لیے طے کر لیا جاتا تھا۔ نماز کے وقت سے آدھے گھنٹے بعد جب رش کافی کم ہو جاتا۔

حسنِ اتفاق:

راقم الحروف کے ذوقِ سماع سے بیشتر اہلِ حلقہ بخوبی واقف ہیں۔ صابری برادران کے تقریباً تمام دستیاب ریکارڈز میرے پاس موجود ہیں۔ کچھ ذرائع سے معلوم ہوا کہ لال کُرتی راولپنڈی میں مقصود نامی ایک ساؤنڈ سسٹم کے مالک کے پاس صابری برادران کے کافی نایاب ریکارڈز ہیں۔ اس سے فون پر ایک دو بار رابطہ ہوا۔

کہنے لگا ریکارڈ تو بہت ہیں پر وقت نہیں ملتا ان کی ترتیب کا۔ میں نے اسے آفریدی کے ریکارڈز کی چھان پھٹک، ترتیب اور Digitization میں ہم اس کی مدد کر سکتے ہیں بس ہمیں اس ذخیرے تک رسائی چاہیے۔تب اپنی بیماری کا رونا لے بیٹھا کہ ایکسیڈنٹ کی وجہ سے کئی ماہ سے بستر پر ہوں۔

اہل کمرہ سے تعارف کے دوران پتہ تو چل گیا تھا کہ راشد مجید، لال کرتی کے رہائشی ہیں ،ایک دن اچانک خیال آیا کہ بہت ممکن ہے مقصود سے کوئی تعلق ان کا نکل آئے۔ راشد سے ذکر کیا تو وہ مقصود کے محلے دار نکلے اور اس سے، ان کے اچھے مراسم بھی ہیں۔انہیں اپنی غرض بتائی تو انہوں نے وعدہ کیا کہ ان سے جو ہو سکا اس سلسلے میں، واپس جا کر ضرور کریں گے۔خوشی ہوئی کہ اس کمبخت کے ذخیرے تک رسائی کی ایک امید تو نظر آئی۔

مدینہ آمد:

مکہ آنے کے چار، پانچ دن بعد مدینہ روانگی کے لیے لسٹیں نوٹس بورڈ پر لگا دی گئیں۔ بس نمبر اور روانگی کے وقت کے ساتھ 20 جولائی صبح آٹھ بجے روانہ ہو کر تقریباً تین بجے مدینہ پہنچے۔ یہاں ایک بار پھر بدنظمی سے واسطہ پڑا۔مکہ پہنچے تھے تو کمرے الاٹ کئے جا چکے تھے اور کمروں کے حساب سے گروپ بھی انتظامیہ نے خود ہی بنائے تھے۔کسی کو اس پر کوئی اعتراض بھی نہ تھا۔جاتے ہی کمروں کی چابیاں حوالے کر دی گئی تھیں۔مدینہ میں قیام ہوٹل برج مودہ میں رکھا گیا تھا۔کاونٹر پر لمبی قطار، دھکم پیل غرض بدنظمی کا دوسرا منظر دیکھا۔

سنا گیا کہ چار چار کے گروپ بنالیں اور کمرے کی چابی لے لیں۔یہ بات مکہ میں ہی بتا دی جاتی تو نہایت آسانی سے یہ کام کیا جا سکتا تھا۔یا انتظامیہ خود ہی گروپ بنا دیتی تو کس کو اعتراض ہونا تھا! اب یہاں پہنچ کر مکہ ہوٹل والے اہل کمرہ تو تتر بتر ہو چکے تھے۔ویسے بھی وہ چار چار کا گروپ نہیں تھے۔ہمارے گروپ کے ساتھ پختون برادران مل جاتے تو چار چار کے دو

گروپ مرد اور خواتین کے بن جاتے، پر انہوں نے اپنی بیگمات کے ساتھ چار کا گروپ بنا کر کمرہ لے لیا۔ ہم بھی چار کا گروپ (میں، منصور اور بیگمات) بنا تو سکتے تھے پر شائد شرعاً بھی جواز نہ بنتا، راشد مجید اور ان کی اہلیہ کو ساتھ ملا کے تین، تین کے دو گروپ بن گئے۔ اب ایک محرم جوڑے کی تلاش شروع ہوئی۔ راشد مجید کو قطار میں کھڑا کر کے میں اور منصور ایک جوڑے کی تلاش میں لگ گئے دونوں کو بیک وقت ایک ایک جوڑ مل گیا۔ اب دونوں میں سے کسی ایک کو چننے اور ایک کو چھوڑنے کی افتاد پڑی۔ منصور کو ملنے والے صاحب زیادہ معقول دکھائی دیئے۔ ان کو ساتھ ملا کر ہم چار مرد اور چار خواتین کے دو گروپ بن گئے۔ یوں دو کمروں کی چابیاں وصول کر کے اس الجھن سے نجات ملی۔

ہم تین تو مکہ میں اکٹھے ہی تھے۔ یہ جو تھے صاحب ڈاکٹر طاہر مسعود اوکاڑہ کے رہائشی، دیپالپور میں کلینک چلاتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم کی وجہ سے لاہور بحریہ ٹاؤن شفٹ ہو چکے ہیں خود تو چند سال پہلے حج کر چکے ہیں۔ اب بیگم کو حج کروانے لائے ہوئے تھے۔ بدقسمتی سے کسی وجہ سے ان کی بیگم کو وہیل چیئر کی ضرورت پڑ گئی۔ ڈاکٹر صاحب کی ہمت تھی کہ انہوں نے اس افتاد کو خندہ پیشانی سے قبول کیا۔ ملازمت انہوں نے دیپالپور کے سرکاری ہسپتال سے شروع کی جسے پانچ سال بعد چھوڑ کر انہوں نے اپنا کلینک بنا لیا۔ بقول ان کے ملازمت کے لیے ماحول سازگار نہ تھا۔

حسنِ اتفاق:

ایک دن ڈاکٹر طاہر مسعود نے گپ شپ کے دوران اپنے محلے کی ایک راؤ فیملی کا ذکر کیا جن میں ایک تو راؤ قمر سلیمان تھے (سابقہ ائر چیف مارشل) اور دوسرے راؤ بدر سلیمان جن کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کو اتنا علم تھا کہ وہ اٹامک انرجی کمیشن میں ملازم ہوئے تھے اور ان کے خیال میں اپنی افتادِ طبع کے باعث چھوڑ گئے ہوں گے یا نکال دیے گئے ہوں گے۔

اتفاق سے میرا اور بدر سلیمان کا تعارف میری ملازمت کے ایک مشکل مرحلے پر ہوا تھا

وہ ممبر سائنس کے عہدے پر تھے جو چیئرمین کے بعد سب سے اہم عہدہ گنا جاتا ہے۔ میں اپنے ایک سابقہ تبلیغی باس سے ان بن کے نتیجے میں انیسویں سکیل میں پروموشن نہ ہونے کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ بدر سلیمان خاصے اکھڑ مزاج اور بدزبان مشہور تھے۔ لیکن جب میں اپنے سے، ہونے والی ناانصافی کی تلافی کے لیے ان سے ملا تو کوئی ناخوشگوار صورت حال تو پیش نہ آئی البتہ انہوں نے رکھائی سے کہا کہ وہ صرف انصاف کی رو سے اس معاملے پر کوئی فیصلہ کریں گے۔

انصاف کا پلڑا میرے حق میں جھکتا دیکھ کے انہوں نے نہ صرف پروموشن دلائی بلکہ ایک اہم ذمہ داری بھی سونپ دی۔ اگر بدر سلیمان بھی اپنے پیشرو کی طرح فائل دیکھ کر ہی فیصلہ کرتے تو میرے carrier کے آخری سال بہت تکلیف دہ ہوتے۔ ان کے ایک درست فیصلے نے سروس کے آخری سات سال نہایت خوش گوار بنا دیے۔

انیسویں اور بیسویں سکیل سے متعلق ایک واقعہ اہل سلسلہ کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ 1970 کے زمانے میں خواجہ ولی محمد صاحب کی چھوٹی سی دکان شام کے وقت اہل حلقہ کی آماجگاہ ہوا کرتی تھی۔ اکثر دو چار اہل حلقہ وہاں موجود پائے جاتے تھے۔ ایک دن خواجہ صاحب کی دکان کے تھڑے پر میں، عبدالسلام (مرحوم) اور بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے داماد آفاقی صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔ میں ان دنوں تعلیم کا سلسلہ ایف سی پر منقطع کر کے ٹیلیفون کے محکمے میں آٹھویں سکیل کی ملازمت کر رہا تھا۔ وجہ اس کی کچھ اپنی لاپرواہی، کچھ گھریلو معاملات اور کسی حد تک کچھ اہل حلقہ کی ناعاقبت اندیشانہ توجہ تھی۔ عبدالسلام دسویں سکیل میں سٹینو ٹائپسٹ تھے۔ آفاقی صاحب نے اچانک عبدالسلام سے پوچھا کہ تم کون سے سکیل میں ہو؟ جواب سن کر ایک لمبا کش سگریٹ کا لگا کر کہنے لگے! سترھویں سکیل تک پہنچ ہی جاؤ گے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوئے کہ طارق میاں! تم کس سکیل میں ہو؟ بتایا کہ آٹھویں میں سن کر پھر آنکھیں بند کر کے ایک کش لگایا اور کہنے لگے تم تو 17,18 بلکہ انیسویں تک پہنچ جاؤ گے۔ دل میں تو ہنسی آئی کہ بڑے میاں کیا انہونی بات کر رہے ہیں۔ گریڈ 17 کا افسر ملنا (عموماً کاغذات کی تصدیق کے لیے) ایک

دشوار بات ہوتی تھی ۔تعلیم ایف ۔ایس ۔سی سے آگے کی کوئی صورت دور دور تک نہیں تھی ۔اور پھر انیسواں سکیل ۔خیر بات آئی گئی ہوگئی۔

عبدالسلام محکمانہ ترقی پاتے پاتے 17 سکیل سے بھی Move Over ملنے پر 18 میں پہنچ گئے لیکن سکیل Revise ہونے پر پھر 17 میں آنا پڑا اور اسی سے ریٹائر ہوئے۔

میں نے چار سال بعد تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ایم ۔ایس ۔سی (ریاضی) کے بعد اٹامک انرجی کمیشن میں ایم ۔ایس (نیوکلیئر انجینئرنگ) کرنے کے بعد ملازمت شروع کی 17.18 اور بالآخر انیسویں سکیل میں پہنچ گیا لیکن یہاں پہنچ کر ایسی بریک لگی کہ مقررہ وقت سے چار سال اوپر ہوگئے ۔ایک دو سال پروموشن لیٹ ہو جانا بھی بہت اذیت کا باعث ہوتا ہے کہاں چار سال ۔لیکن شکر ہے کہ اس عرصہ میں کسی مایوسی یا بے دلی سے بچا رہا۔جب کوئی اظہار ہمدردی کی کوشش کرتا تو میں یہی کہا کرتا تھا کہ لوگوں کو تو بد دعا لگتی ہے پر میری پروموشن کا نہ ہونا ایک درویش کی دعا کی وجہ سے ہے۔

مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ انیسویں سے بیسویں کی پروموشن میں بھی سلسلہ توحیدیہ کے ایک سپوت کا بڑا اہم رول تھا۔ڈاکٹر مسعود اقبال (مقبول احمد اقبال کے فرزند) جو میری طرح پیدائشی توحیدی ہیں ،بدر سلیمان نے ان سے میرے بارے میں معلومات لیں تو انہوں نے باوجود مرکز سے وابستگی کے،میرے حق میں مثبت رائے دی اور میرے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو بھی بے نقاب کیا۔یہ بھی ایک اتفاق تھا کہ میں اور ڈاکٹر مسعود اقبال ملازمت کے ابتدائی سالوں میں ایک ہی گروپ میں تھے اور ہمارے انچارج بھی انصاری تھے۔

ڈاکٹر طاہر مسعود کے بڑے بھائی ،بدر سلیمان کے کلاس فیلو تھے اور دونوں ایک جیسے ملحدانہ خیالات کے حامل ۔ڈاکٹر صاحب کے والد اپنے بیٹے کے ان رجحانات پر رنجیدہ رہتے۔ ڈاکٹر طاہر کے بھائی جو اپنے مطالعے کی وسعت کی وجہ سے علامہ خالد رشید کہلاتے تھے،سول جج کے طور پر ملازمت کے ابتدائی دور میں شدید مذہبی رجحان کے حامل ہوگئے اور ایک بے لچک،

انصاف پسند جج کے طور پر مشہور ہوئے۔ان کے دو واقعات ڈاکٹر صاحب نے سنائے جو دلچسپ اور سبق آموز ہونے کی وجہ سے سنائے جانے کے قابل ہیں۔

ا) ایک بار ان کے والد نے کسی سائل کے لیے سفارشی رقعہ ان کے نام لکھ دیا۔جج صاحب نے اس رقعے کو مقدمہ کی فائل میں لگا کر مقدمہ سیشن جج کو بھیج دیا ان ریمارکس کے ساتھ ''چونکہ والد صاحب نے اس مقدمے میں سفارش کی ہے اس لیے بہتر ہے کہ یہ مقدمہ کسی اور جج کی عدالت میں بھیج دیا جائے''۔

2) ان کے ایک دوست کا مقدمہ ان کی عدالت میں زیرِ سماعت تھا۔اس دوست نے جج صاحب کو اپنے فریق مخالف کے بارے میں کچھ حقائق بتا کر ان سے اپنے حق میں فیصلے کی توقع باندھ لی۔جج صاحب نے مقدمے کا جائزہ لیا تو انہیں انصاف کا پلڑا اپنے دوست کے مخالف فریق کے حق میں جھکتا نظر آیا۔انہوں نے اپنے دوست کو اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ دیا کہ وہ ان کے خلاف یہ درخواست لکھ کر کہ مجھے اس جج سے انصاف کی توقع نہیں ہے، اپنا مقدمہ کسی اور جج کی عدالت میں منتقل کروالے۔بصورت دیگر وہ فیصلہ اپنے دوست کے مخالف فریق کے حق میں ہی دینے پر مجبور ہوں گے۔مزے کی بات یہ ہے کہ اپنے خلاف درخواست بھی دوست سے خود ہی لکھوائی۔

(جاری ہے)

غصّہ اور حسد کی بُرائی

(امام غزالیؒ)

اسلامی تعلیم کے مطابق زبردست پہلوان وہ ہے جو غصّے پر قابو پالے' غصّے میں حلیم اور باوقار مرد خیفت ہو کر رہ جاتا ہے' جس قدر جلد ممکن ہو غصّے کو فرو کر دینا ہی انسانیت کی شان ہے۔ تمام بُرائیوں کی کنجی اور جڑ یہی غصہ ہے۔ غصّے کے نتیجے میں جو نادانی ہو جاتی ہے اس کی تلافی ممکن نہیں ہوتی ' کیونکہ غصّے میں آدمی کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی اور بے عقلی میں جو باتیں سرزد ہو جاتی ہیں وہ بڑی خطرناک ہوتی ہیں' اس لیے غصہ اور عقل کبھی جمع نہیں ہوتے۔ سب سے بہترین حسن اخلاق ترکِ غصہ کا نام ہے۔ غصہ ایک قوت کا نام ہے جس کا محل و مرکز قلب ہے' یہ قوت جوش مارتی ہے اور ایذاء کے بعد انتقام اور بدلے کے لیے اُبھرتی ہے کیونکہ انتقام سے اس قوت کو سکون ملتا ہے۔ اس قوت کے لحاظ سے انسانوں کے تین درجات ہوتے ہیں یا تو یہ قوت بالکل ہی نہ ہو تو بُری بات ہے۔ ایسے شخص کو بے غیرت کہا جاتا ہے' غصہ اور حمیت کا بالکل نہ ہونا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ دوسرا درجہ افراط یعنی زیادتی کا ہے۔ یعنی غصہ اس قدر غالب ہو کہ آدمی مال اور انجام سے بے فکر ہو جائے اُس کی عقل ماری جائے' اپنے آپ پر اختیار نہ رہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ آدمیوں کا غصہ عقل کے طابع رہے' یہ غصہ برا نہیں ہے، ایسا غصّہ وہیں آتا ہے، جہاں غصّے کی ضرورت ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ اگر بے غیرتی اور بے حمیّتی کی حد تک غصّہ کم ہو تو غصّے کی عادت ڈالنی چاہیے اور اگر جنون کی حد تک ہو تو اس کو دبا کر اعتدال پر لانا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ کیا جدوجہد سے غصّے کو دور کیا جا سکتا ہے یا نہیں غصّہ اگر اس لیے آیا کہ کسی نے کسی کی بہت ضروری چیز چھین لی ہے وہ چیز کہ اس کو شدید ضرورت کی وجہ سے محبوب تھی تو ایسا غصّہ کوشش سے ختم تو نہ ہوگا ہاں جدوجہد اور ریاضت سے اُس کا زور کم ہو جائے گا۔ بعض وہ چیزیں ہوتی ہیں جو زائد ہوتی ہیں ضروری نہیں ہوتیں مثلاً سجاوٹ اور فیشن کا سامان اگر ایسی چیزوں کے چھن جانے پر غصّہ ہے

تو اُمید ہے یہ غصّہ سمجھانے سے غوروفکر سے، ریاضت سے اور محنت سے ختم ہوسکتا ہے۔ غصّے کی نوعیت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ جائز چیزوں کی اہمیت اگر سمجھانے بجھانے سے دل میں سے ختم ہو جائے تو ان کی محبت بھی ختم ہو جائے گی اور غصّہ چونکہ محبت کا تابع ہوتا ہے اس لیے وہ غصّہ بھی جا تا رہے گا۔ دنیا کے مکروفریب کو پہچان کر جس قدر دُنیا سے دور رہوگا اسی قدر دُنیاوی نفع وضرر کی اہمیت اُس کے دل سے ختم ہوگی اور اسی قدر غصّہ ختم ہوتا جائے گا۔ بعض اوقات انسان کو اپنے نفس کی اور اپنی بےعزتی پر بھی غصّہ آتا ہے تو اُس وقت انسان کو غور کرنا چاہیے کہ میں اور میرا نفس تو اس قدر ذلیل ہیں کہ فلاں شخص نے جو گالی دی، بےعزتی کی ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے تو اس کو سوچ کر غصّہ دب جائیگا۔

غصّے کے اسباب ، اُن کے دُور ہونے کے طریقے :

ہر بیماری کی طرح غصّے کو بھی اُس کی ضد سے دور کرنا چاہیے اگر غصّہ تکبّر کی وجہ سے ہے تو تواضع سے دور کرے اپنے اندر عجب پیدا ہوگیا ہو اور اس کی وجہ سے غصّہ آئے تو نفس شناسی سے دور کرے، فخر پیدا ہوگیا ہے تو انسانوں میں خود کو برابر سمجھ کر دور کرے، غصّے میں فکروذہن جس قدر پراگندہ ہوجاتے ہیں، بلکہ بسا اوقات ظاہری شکل وصورت جس قدر کریہہ ہوجاتی ہے اس کو سوچے اور وقار وحلم سے کام لے، غصّے میں اگر کھڑا ہوا ہے تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہے تو لیٹ جائے، ٹھنڈے پانی سے منہ دھوئے، دو گھونٹ ٹھنڈا پانی پی لے۔ اُمید ہے ان اعمال سے غصّے کی آگ سرد پڑ جائے گی، اگر کسی کمزور پر غصّہ آیا تو سوچے کہ میری طاقت کا یہ مظاہرہ نہیں ہے کہ اس کمزور سے بدلہ لوں۔ بہترین طاقت یہ ہے کہ غصّے سے بدلہ لوں اور معاف کردوں اس سے اپنا ضمیر بھی مطمئن ہوگا وقار اور حلم کا اندازہ ہوگا۔ ایک لمحے کا حلم بہت سے شر وفساد کو ختم کردیتا ہے۔

حلم کی فضیلت: حلم کی تعریف یہ ہے کہ غصّہ جوش پر نہ آئے اور اگر آجائے تو اس کو ختم کرنے میں قلب ودماغ کو زیادہ جدوجہد نہ کرنی پڑے۔ انسان کی فطرت میں حلم داخل ہے۔

اب جو اس کا مظاہرہ کرتا ہے اُس کے دانش منداور عقلمند ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔شروع میں آدمی کو چاہیے کہ تکلف کے ساتھ ہی اس کمال کو اختیار کرے۔آہستہ آہستہ اس کی عادت پڑ جائے گی علم ہمیشہ سیکھنے سے آتا ہے اور حلم بہ تکلف حلیم بننے سے پیدا ہوتا ہے،غضب وتکبر اور ظلم سے ہیجان پیدا ہوتا ہے اور ہیجان ،نرمی وحلم کا دشمن ہے۔اس لیے علم سیکھ کر اس کو حلم و وقار سے مزّین کرنا بڑی شرافت بڑی دانش مندی اور بڑی بڑائی کی بات ہے۔مگر اب لوگوں کا حال یہ ہے کہ ایک بزرگ نے مثال دی ''پہلے لوگ پھول ہی پھول تھے،کانٹا نام کو نہ تھا اور اب لوگ کانٹا ہی کانٹا ہیں پھول نام کو نہیں''۔بزرگوں کا قاعدہ تھا کہ ان کو جب کوئی برا کہتا یا گالی دیتا تو وہ دُعا دیتے یا خاموش رہتے بلکہ عملی طور پر گالی دینے والے کو کچھ عطاء بخش کرتے تھے۔اس سے بعض اوقات برا کہنے والا اس قدر مجحوب وشرمندہ ہوتا کہ زندگی بھر کے لیے اپنی حرکتوں سے توبہ کر لیتا سچ ہے! اخلاقی سزا سب سے بڑی سزا ہے۔حضرت عیسیٰؑ ایک بار یہودی کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے،ان لوگوں نے گالی دی آپؑ نے دُعا دی۔لوگوں نے کہا حضور یہ کون سا صلہ ہوا!حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا: ''جس کے پاس جو چیز ہوتی ہے وہ وہی چیز دیتا ہے۔''انتقام اور بدلہ اگر لینا ہو تو ضروری ہے کہ ان حدود کا خیال رکھے کہ زیادتی نہ ہو اگر کوئی گالی کے بدلے میں گالی بکنے لگے یا غیبت کے بدلے میں غیبت کرے تو اس سے بڑی جہالت کیا ہوگی! انتقام اِتنا ہی لے کہ کوئی سچی بات اُسے کہہ دے جس سے اس کو احساس ہو جائے کہ اگر میں اس کو کچھ نہ کہتا تو یہ نہ سننا پڑتا۔

کینہ: جب آدمی کسی مجبوری کی وجہ سے انتقام نہیں لے سکتا اور غصہ پیا پڑتا ہے تو یہ غصہ باطن پر اثر انداز ہوتا ہے اور یہی کینہ بن جاتا ہے اُس شخص سے نفرت بیٹھ جاتی ہے۔دل اس کو برا جاننے لگتا ہے اس سے اور برائیاں پیدا ہوتی ہیں مثلاً حسد یعنی اس بات کی تمنا کرنی فلاں کے پاس سے دولت یا کمال ضائع ہو جائے یا کسی کو نعمت ملے تو اُس پر خود کو غم ہو یا کسی پر مصیبت

آئے تو اُس پر دوسرے کو خوشی ہو، کسی بھائی سے ترکِ تعلق یا ترکِ کلام، کسی کو حقیر و ذلیل جاننا، کسی بھائی پر تہمت لگانا، اُس کی غیبت کرنا، اس کو رسوا کرنا، اس کا بات بات پر مذاق اڑانا اُس کے حق کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا، کینے کے نتیجے میں یہ اور اسی قسم کی دوسری برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

عفو اور احسان:

دوسروں پر جو اپنا حق ہو یا قرض ہو اس کو معاف کر دینا عفو ہے اور مزید اُس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرنا یہ احسان ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جب تک انتقام کا موقع نہ ملے اُس وقت تک حلم اور برداشت سے کام لینا چاہیے اور جب تک موقع نہ ملے عفو اور احسان کرنا چاہیے۔ دراصل محسن وہی ہے اور حلیم بھی وہی ہے جو ظلم کے وقت حلم و برداشت سے کام لے اور جب بدلہ لینے پر قابو پائے تو معاف کر دے۔

حسد کی حقیقت' اور حسد کیسے دور کیا جائے:

حسد ہمیشہ نعمت پر ہوتا ہے، کسی کو خدا نے نعمت دی، دوسرا اُسے دیکھ کر جل گیا اور چاہے کہ اس کے پاس نہ رہے تو یہ حسد ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نہ نعمت بُری لگے نہ کسی کے پاس سے ختم ہونے کی تمنا ہو بلکہ یہ خواہش ہو کہ ہمیں بھی مل جائے تو یہ غبطہ ہے اور غبطہ کرنا بُرا نہیں ہے غبطہ میں کسی کی نعمت کے زوال کی خواہش بالکل نہیں ہوتی بلکہ آدمی میں ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے اور تب وہ محنت اور جدوجہد کرتا ہے کہ خود بھی دوسروں کی طرح ہو جائے اور ظاہر ہے یہ جذبہ مستحق اور پسندیدہ ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں۔ دوسروں کی نعمت کا زوال چاہنا یہ بہت ہی بُرا درجہ ہے' دوسرے کی نعمت کی تمنا کرنا۔ اس سے غرض نہیں کہ اس کے پاس کیوں ہے نہ یہ خواہش کہ دوسروں کے پاس سے جاتی رہے۔ تیسرے یہ کہ جو نعمت دوسروں کے پاس ہو، خاص وہی نہیں چاہتا بلکہ اُس جیسی اپنے لیے چاہتا ہے لیکن خود کو نہیں ملتی تو دوسروں سے زوال بھی نہیں چاہتا یہ صورت معاف ہے۔ ایک صورت یہ کہ اگر دوسروں جیسی دولت اُسے نہ ملے تو خواہش کرے کہ دوسروں کے پاس سے بھی زائل ہو جائے۔

حسد کیسے دُور ہو:

حسد کرنے سے سوائے نقصان کے فائدہ کوئی نہیں ہے اور جس سے حسد کر رہا ہے اُس کا فائدہ ہی ہے۔ حسد کرنے والا خود اپنا دشمن ہوتا ہے۔ حسد کا مطلب تو صاف یہ ہے کہ خدا نے ایک نعمت کسی کو دی ہے اور کوئی دوسرا شخص خدا کے اس فیصلے پر خفا ہے، ناراض ہے تو یہ کس قدر بُری بات ہے، دنیا میں حاسد ہمیشہ رنج والم میں گرفتار رہتا ہے۔ جس پر حسد کر رہا ہے۔ وہ تو عیش کر رہا ہے اور یہ خود حسد کی آگ میں جل رہا ہے نعمت تو اُس کے پاس رہی اور دشمن برابر حسد کی آگ میں جلتا رہا تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ آدمی اپنے سر ایسی مصیبت مول لے۔ حسد کرنے سے نعمتیں چھن تو جاتی نہیں۔ اگر حسد سے نعمت چھن جایا کرتی اور حاسد کی یہ تمنا پوری ہو جایا کرتی تو خود حاسد کے پاس کہاں نعمت رہ جاتی۔ اس طرح تو کارخانہ عالم کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا۔

دنیا خدا کی، خدا کے دوستوں کی، خدا کے دشمنوں کی سب کی دشمن ہے۔ خدا کی اس لیے کہ خدا کے بندوں کو اُس کے راستے میں نہیں چلنے دیتی، خدا کے دوستوں کی اس طرح کہ ان کو ہر لحہ اپنے دام فریب کی طرف بلاتی ہے۔ خدا کے دشمنوں کی اس طرح کہ اپنے مکروفریب میں ان کو اس طرح پھنسا لیا کہ وہ دنیا پر اعتماد کر بیٹھے اور آخر میں ایسا دھوکا دیتی ہے کہ سوائے حسرت وندامت کے کچھ نہیں بچتا۔ جب دنیا کا یہ حال ہے تو اس کی حقیقت جاننا نہایت ضروری ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے: دنیا سرائے ہے۔ مسافر کی طرح سے اس پر سے گزر جاؤ اور تمام بُرائی کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ دنیا کی خاص بات یہ ہے کہ جس کو یہ ملے وہ بھی مصیبت میں اور جسے نہ ملے وہ بھی مصیبت میں، جسے ملتی ہے وہ مشقت میں پڑ جاتا ہے اور جسے نہیں ملتی وہ رنج اٹھاتا ہے، دنیا کی محبت بُری چیز نہیں ہے ہاں دنیا کا غلط استعمال برا ہے ورنہ دنیا کی محبت تو ایک غیر اختیاری فعل ہے عقلمند دنیا میں نیک کام کرتے ہیں اور دنیا کو غنیمت جانتے ہیں اور بے وقوف دنیا کو پہچانتے نہیں، جب دنیا سے جانے لگتے ہیں تو حسرت کرتے ہیں کہ کاش! کچھ وقت ملتا اور کچھ نیک کام کر لیتے، دنیا کی کوئی خوشی ایسی نہیں ہے، جس کے ساتھ رنج نہ ہو۔ دراصل مالدار تو گروہ ہے

جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو ۔ یہ ضرور ہے کہ دنیا میں ملوث ہونے والا بُرا ہے مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ دنیا کو ایک دم چھوڑ دیا جائے ۔ اس لیے ضروری ہے کہ بتایا جائے کہ کسی حد تک دنیا کا استعمال لازمی ہے ۔ انسان کا سب سے افضل اور بلند مقصد نیکی اور عبادت کی زندگی گزارنا ہے ۔ جس کے لیے کچھ ریاضت اور مشقت سے کام لینا پڑتا ہے اور جسمانی صحت زندگی کی ضروریات ہیں، اس لیے ایک حد تک غذا، لباس اور مکان وغیرہ اس سلسلے میں اہم ضرورتیں ہیں اس لئے اس حد تک غذا‘ لباس‘ مکان اور زندگی کی دوسری ضروریات کو طلب کرنے والا ہرگز دنیا دار نہیں کہلائے گا ۔ بلکہ یہی دنیا اُس کے حق میں آخرت کی کھیتی ہے ۔ لیکن انھیں چیزوں کو اگر عیش و عشرت کے لیے حاصل کیا جائے تو یہی دنیا طلبی اور بُری بات ہے ۔ دراصل نیت اور ارادے سے دنیا خراب اور اچھی ہوسکتی ہے ۔ اگر دنیا کو نیک نیتی سے حاصل کرے تو ہرگز برا نہیں ہے اور بد نیتی ہو تو یہ دنیا طلبی اور بُرا کام ہے ۔ ایک چیز انسان کی حاجت اور ضرورت ہے ۔ انسان کو چاہیے کہ حاجت کو ضروریات زندگی کی حد میں رکھے ۔ عیش و عشرت کی حدود میں نہ جانے دے ۔ جسم کی ضروریات میں اس قدر مصروف نہ ہو کہ علم و عمل‘ نیکی‘ طاعت و عبادت کی طاقت باقی نہ رہے یہ ہرگز دنیا داری نہیں ہے ۔ باقی پوری طرح دنیا میں لگ جانا‘ شرافت‘ نیکی‘ بھلائی حاصل کرنا جو انسان کا اصلی مقصد ہے اس کو فراموش کرتا ہے مگر نیت اچھی ہے غریبوں کی خدمت‘ اللہ کی مخلوق کی خدمت‘ اہل و عیال کی خدمت اُس کا مقصود ہے ۔ پھر دنیا کو ظلم‘ چوری‘ دھوکے سے حاصل نہیں کرتا تو ہرگز اُس کی برائی نہیں کرسکتے نہ اس کو دنیا دار ہونے کا طعنہ دے سکتے ہیں ۔

حسد نہ کر، اللہ سے مانگ اور محنت کر

(ڈاکٹر محمد یونس حنیف)

حسد ایک اخلاقی اور روحانی بیماری ہے جو اس حد تک خطرناک اور مہلک ہے کہ جب تک انسان کے قلب و روح کو کھا نہیں جاتا، تباہ نہیں کر دیتا، جان نہیں چھوڑتا۔ دل مردہ ہو جاتا ہے، روح انسانی مرجھا جاتی ہے۔ انسان حسد میں جلتے جلتے غصے سے پاگل ہو جاتا اور آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ عربی زبان کا مقولہ ہے: الحسد کصدا ٓء الحدید لا یزال حتیٰ بہ حتیٰ یاکلہ ترجمہ: ''حسد لوہے کے زنگ کی طرح ہے جو لوہے کے ساتھ ہمیشہ چمٹا رہتا ہے، جب تک اسے کھا نہیں لیتا اور ریزہ ریزہ کر کے ختم نہیں کر دیتا اس کی جان نہیں چھوڑتا''۔

حسد کی تشریح کرتے ہوئے علامہ ابن منظور نے لسان العرب میں لکھا ہے:

''کسی کی خوش حالی اور عزت کو دیکھ کر جلنا یا آرزو کرنا کہ کاش یہ دولت اس کے بجائے مجھے ملتی۔ اس عزت اور فضیلت سے اس کی بجائے میں بہرہ ور ہوتا اور اگر یہ چیزیں میرے نصیب میں نہ تھیں تو کم از کم اس سے چھین لی جاتیں۔ اس کو بھی ان سے محروم کر دیا جاتا۔ اس کے مقابل ایک اور لفظ ''رشک'' استعمال ہوتا ہے جسے غبطہ یا رشک کہتے ہیں۔ حسد اور رشک میں قدر مشترک یہ ہے کہ حسد کرنے والا اور غبطہ کرنے والا دونوں ہی دوسرے کی عزت اور فضیلت یا اس کی شہرت اور مال و دولت دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ کاش ہمیں بھی یہ سب کچھ مل جائے۔ مگر دونوں میں فرق یہ ہے کہ غبطہ (رشک) کرنے والا ان نعمتوں کو حاصل کرنے کی خواہش تو رکھتا ہے اور اپنے لیے آرزو بھی کرتا ہے لیکن دوسرے کے پاس ان نعمتوں کو دیکھ کر نہ تو جلتا ہے اور نہ دوسرے سے چھن جانے کی آرزو کرتا ہے۔ البتہ حسد کرنے والا دوسروں کو ان نعمتوں سے بہرہ ور دیکھ کر برداشت نہیں کر پاتا۔ بلکہ اس سے چھن جانے کی دعائیں کرتا ہے۔ ممکن ہو تو اس کے لیے تدبیر بھی کرتا ہے۔ اس لیے حسد کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا اور حسد کرنے والے کے

شر سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہ ایسی کمینگی اور خست طبع کا نتیجہ ہے کہ جس کی برائی صرف خواہش اور آرزو تک محدود نہیں رہتی بلکہ بعض دفعہ اس کے نتیجے میں بڑے بڑے جرائم وجود میں آتے ہیں۔ حاسد دوسروں کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اگر اس کا بس چلے تو وہ اس کے کاروبار کو تباہ کرنے کی تدبیریں کرتا ہے۔ دنیا میں جو پہلا قتل ہوا ہے جس میں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اس کی وجہ حسد کے جذبے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ اسی طرح حسد ہی کے نتیجہ میں برادران یوسفؑ کا کردار منظر عام پر آتا ہے کہ ان پیغمبر زادوں نے نہ وقت کے پیغمبر کو جو صرف پیغمبر ہی نہیں ان کا پدر بزرگوار بھی تھا، سال ہا سال تک پریشانی اور دکھ میں ڈالنے سے گریز نہ کیا۔ بلکہ مستقبل کے پیغمبر کے ساتھ بھی ظلم وزیادتی کرنے کی تمام حدود سے تجاوز کر گئے۔ لیکن نتیجتاً یوسفؑ وزارت مملکت اور پھر تخت شاہی پر متمکن ہوئے جب کہ برادران یوسفؑ دانے دانے کے محتاج ہو کر اسی کے سامنے ''وتصدق علینا'' کہتے ہوئے بھیک مانگنے کے لیے پہنچے۔ سچ ہے:

حاسد حسد کی آگ میں خود ہی جلا کرے
وہ شمع کب بجھے جسے روشن خدا کرے

ایک مریض حسد اس خاکسار کے علم میں ہے کہ وہ سکول میں نویں سکیل میں ملازم ہوا اسکے بعد ایک شخص اسی گریڈ میں اسی ادارے میں ملازم ہوا اور ترقی کرتے کرتے اس نے ایم اے کر کے سولھواں گریڈ حاصل کر لیا۔ اول الذکر کو حسد کا مرض لاحق ہوا، کہ ہاں ہاں اس نے ایم۔ اے کر کے سولھواں گریڈ لے لیا ہے۔ مجھ سے دیکھا نہیں جاتا۔ اسی غصے میں اس نے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی۔ پنشن بھی کم لگی اور مصروفیت بھی ختم ہوگئی۔ اس پر لوگوں کی باتیں اور اشارے بھی برداشت کرنے پڑے۔ بالآخر بے روزگاری اور حسد کے غصے میں ہی تڑپ تڑپ کر مر گیا اور راہی ملک عدم ہوگیا۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے آقائے دو جہاں، محبوب انس و جاں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کو معوذتین میں ہدایت فرمائی ہے اور منجملہ دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا

کہ نبی ﷺ کہو۔۔۔ **و من شر حاسد اذا حسد** ۔ میں صبح کی پناہ مانگتا ہوں ۔۔۔۔اور حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے۔چوں کہ حاسد،محسود(جس سے حسد کیا جائے) سے زوال نعمت کی آرزو کرتا ہے چنانچہ اس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔

آں حضرت ﷺ چونکہ معلم بن کر آئے تھے اور خاص کر معلم اخلاق ، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو اخلاق اعلیٰ کی تعلیم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ایا کم والحسد فان الحسد یا کل الحسنات کما تاکل النار الحطب اوقال العشب

ترجمہ: ''حسد سے بچو، پس بے شک حسد نیکیوں کو کھا جاتا ہے، جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔یا گھاس کو''۔ ایک اور جگہ فرمایا:

ترجمہ:''بدگمانی سے بچو کیوں کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے۔نہ لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگاؤ، نہ باہم حسد کرو، نہ ایک دوسرے سے بے تعلق رہو۔نہ باہم بغض رکھو بلکہ اے خدا کے بندو بھائی بھائی ہو جاؤ۔

رسول اللہ ﷺ کو جس طرح توحید و رسالت اور آخرت کی تعلیم دینے اور دعوت الی اللہ کا مشن دے کر مبعوث کیا گیا ، اس طرح آپ نے اس کے ساتھ ہی اپنی آمد کا مقصد یہ بھی بتایا کہ **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** (مجھے اخلاق عالیہ کے مکمل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے۔اوپر والی احادیث کا ایک ایک لفظ اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ آں حضرت ﷺ اخلاقی و روحانی طور پر اپنی امت کو کس طرح ہر اس بیماری سے جس کا تعلق خاص طور پر اخلاق کے بگڑنے اور روح کے تباہ ہونے کے ساتھ ہو، اس سے محفوظ رہنے اور بچنے کی ہدایت فرما رہے ہیں۔اور اپنی امت کو جسمانی، روحانی اور اخلاقی طور پر تندرست و توانا اور مضبوط و مربوط دیکھنا چاہتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا یہ خوب صورت، انوکھا، دلچسپ اور منفرد انداز آپ کو صرف مکتب مصطفیٰ ﷺ میں نظر آئے گا۔مکتب مصطفیٰ سے ملنے والا ہر درس ، درس حیات ہے۔جو دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کے گلستان کو سنوارنے اور تر و تازہ رکھنے کے لیے آب حیات کا کام دیتا ہے۔

حکیم الامت، دانائے راز علامہ اقبالؒ نے کہا ہے:

غنچہ از شاخسارے مصطفیٰ گل شواز باد بہار مصطفیٰ

(اے مصطفیٰ ﷺ کے باغ کی شاخ کی کلی، تو مصطفیٰ ﷺ کے موسم بہار کی ہوا سے نمو حاصل کر کے کلی نہ رہ بلکہ کلی سے پورا پھول بن جا)

حسد اور کینے سے دل صاف رکھنا جنتی ہونے کی علامت

مسند احمد اور نسائی شریف میں لمبی حدیث کے اقتباس ملاحظہ فرمائیں: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ مسلسل تین روز تک اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرماتے رہے کہ (یعنی ابھی تمہارے ہاں ایک آدمی اہل جنت میں سے آئے گا۔ تینوں دن ایک ہی آدمی نمودار ہوتا رہا، تو اس سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے دریافت کیا کہ زبان رسالت سے تمہارے لیے اس خوش خبری کی وجہ کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا: ''اور تو کوئی خاص بات نہیں سوائے اس کے کہ میں کسی مسلمان کے بارے میں اپنے دل میں کینہ نہیں رکھتا اور اللہ نے اس کو جو نعمت دے رکھی ہو نہ اس پر اس مومن سے حسد کرتا ہوں''

اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ کسی مسلمان کے بارے میں دل میں کینہ نہ رکھنا یا اس سے حسد نہ کرنا جنتی ہونے کی علامت ہے۔ او ر رحمت کائنات آں حضرت ﷺ اس پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس شخص کو جنت کی بشارت دے رہے ہیں۔ اور اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کے بارے میں اپنے دل میں کینہ رکھنا اور پروردگار عالم نے اس کو اپنی طرف سے اگر کسی نعمت سے سرفراز کر رکھا ہے، اس پر اس سے حسد کرنا اور جلتے رہنا انتہائی بدنصیبی ہے اور جنت سے دوری کی علامت ہے۔ اس تحریر کی آخری بات لکھنے سے پہلے قارئین کی خدمت میں حضرت مولانا مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن سے ایک اقتباس پیش کیا جا رہا ہے:

''حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہو

اس سے کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے یا کم از کم یہ اس سے ضرور چھن جائے۔ یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اس حالت میں مانگی گئی ہے۔ جب کہ وہ حسد کرے یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لیے قول یا عمل سے کوئی اقدام کرے۔ کیوں کہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا اس وقت تک اس کا جلنا بجائے خود چاہے برا سہی، مگر محسود کے لیے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے۔ پھر جب ایسا شر کسی حاسد سے ظاہر ہو تو اس سے بچنے کے اولین تدبیر یہ ہے کہ اللہ کی پناہ مانگی جائے۔ اس کے ساتھ حاسد کے شر سے امان پانے کے لیے چند چیزیں اور بھی مددگار ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اللہ پر بھروسہ کرے اور یقین رکھے کہ جب تک اللہ نہ چاہے کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ دوسرا یہ کہ حاسد کی باتوں پر صبر کرے۔ بے صبر ہو کر ایسی باتیں یا کاروائیاں نہ کرنے لگے جن سے وہ خود بھی اخلاقی طور پر حاسد ہی کی سطح پر آ جائے۔ تیسرے یہ کہ حاسد خواہ خدا سے بے خوف اور خلق سے بے شرم ہو کر کیسی ہی بے ہودہ حرکتیں کرتا رہے، محسود بہر حال تقویٰ پر قائم رہے۔ چوتھے یہ کہ اپنے دل کو اس کی فکر سے بالکل فارغ کرے اور اس کو اس طرح نظر انداز کر دے کہ گویا وہ ہے ہی نہیں۔ کیوں کہ اس کی فکر میں پڑنا حاسد سے مغلوب ہونے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ پانچویں یہ کہ حاسد کے ساتھ بدی سے پیش آنا تو درکنار، جب کبھی ایسا موقعہ آئے کہ محسود اس کے ساتھ احسان اور بھلائی کا برتاؤ کر سکتا ہو تو ضرور ایسا ہی کرے، قطع نظر اس سے کہ حاسد کے دل کی جلن محسود کے اس نیک رویہ سے مٹتی ہے یا نہیں۔ چھٹے یہ کہ محسود توحید کے عقیدے کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پر ثابت قدم رہے۔ کیوں کہ جس دل میں توحید بسی ہوئی ہو اس میں خدا کے خوف کے ساتھ کسی اور کا خوف جگہ ہی نہیں پا سکتا۔ (تفہیم القرآن)

آخری بات: عربی کا محاورہ ہے:

ترجمہ: "تیری طرف سے حاسد کے لیے یہی سزا کافی ہے کہ تیری خوشی کے وقت اس کو غم ہوتا ہے اس سے بڑی سزا کیا ہو سکتی ہے کہ تم خوش رہو اور وہ حسد کی آگ میں جلتا رہے"۔

ذیابیطس تیسری قسط

(سید عاصم محمود)

(گزشتہ سے پیوستہ)

چربی کی اہمیت: یہ یاد رہے کہ خلیوں کی بیرونی جھلی (Membrane) کا بیشتر حصہ چربی سے بنا ہوتا ہے۔ضروری ہے کہ یہ چربی صحت بخش غذاؤں سے حاصل کی جائے۔دوسری صورت میں مضرصحت غذاؤں کی چربی خلیوں کی جھلی پر جم جاتی ہے۔یہ چربی جھلی کو غیر لچکدار بنا ڈالتی ہے۔ چنانچہ خون سے شکر لینے کا قدرتی نظام متاثر ہوتا ہے۔مصنوعی طریقے سے بنے پکانے کے تیل،تلی ہوئی غذائیں اور پروسیس شدہ کھانے یہ مضرصحت چربی یا چکنائی پیدا کرتے ہیں۔

انسان کو قدرتی غذاؤں مثلاً خالص دودھ،السی کے تیل،سرسوں کے تیل،دیسی گھی اور زیتون کے تیل وغیرہ سے صحت بخش چکنائی حاصل کرنی چاہیے ورنہ جسم میں مضرصحت چکنائی جمع ہونے لگتی ہے۔جس کا ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ وہ Glut 4 سالمات کو سست رفتار بنا ڈالتی ہے۔ چنانچہ وہ خون سے شکر خلیوں تک نہیں لا پاتے۔یوں خون میں شکر کی مقدار بڑھتی چلی جاتی ہے۔

پچھلی نصف صدی میں ماہرین نے چکنائی کی اقسام کو سیر شدہ (Saturated) اور غیر سیر شدہ چکنائیوں میں تقسیم کردیا اور عوام وخواص کو بتایا گیا کہ غیر سیر شدہ چکنائیاں مضرصحت ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان غیر سیر شدہ چکنائیوں کا معتدل استعمال انسانی صحت کو فائدہ پہنچاتا ہے جیسا کہ بتایا گیا،خلیوں کی بیرونی جھلی قدرتی چکنائی سے بنی چاہیے۔لہٰذا خون میں شکر کی مقدار متوازن رکھنے کے لیے قدرتی چکنائیوں کا اہم کردار ہے۔

بدقسمتی سے اب دنیا بھر میں مصنوعی طریقے سے تیار کردہ چکنائیاں غذاؤں میں ملتی ہیں امریکا و یورپ میں چکنائی کی ایسی ہی ایک قسم ٹرانس فیٹس (Transfats) بہت مقبول ہے۔

ان چکنائیوں کا سب سے بڑا منفی اثر یہ ہے کہ وہ خلیوں کی بیرونی جھلی سے چمٹ کر ان کا برقی چارج بھی ختم کرتی ہیں۔اس برقی چارج کے خاتمے سے خلیے آکسیجن کی پوری سپلائی حاصل نہیں کر پاتے۔چنانچہ آکسیجن کی کمی انھیں خراب کرنے لگتی ہے۔

خلیوں کی جھلی میں مصنوعی چکناہٹ ہی ذیابیطس قسم دوم کو حملے کی دعوت دے ڈالتی ہے جس کی وجہ یہ کہ انسولین ہارمون باآسانی خلیوں کی جھلی پار نہیں کر پاتا جسے مصنوعی چکنائیاں تشکیل دیتی ہیں۔یہ خرابی بھی خون میں شکر کی مقدار بڑھاتی ہے۔گویا انسان کو ہر قسم کی مصنوعی چکنائی سے دور رہنا چاہیے۔ان میں مارجرین اور کھانا پکانے کے ہائیڈروجنیٹیڈ تیل و یجی ٹیبل آئل بھی شامل ہیں۔

ایلوپیتھی کی ادویہ: دورِ جدید کے ڈاکٹروں کا وتیرہ بن چکا کہ وہ ذیابیطس قسم اوّل کا علاج کرتے ہوئے انسولین دیتے ہیں۔جب کہ ذیابیطس قسم دوم کے علاج کی خاطر مختلف ذہنی (Oral) ادویہ وجود میں آ چکیں۔ان میں (Glucosidase Inhibitiors) شامل ہیں یہ ادویہ کاربوہائیڈریٹس کو جسم میں جذب کرتی ہیں تا کہ خون میں شکر کی متوازن مقدار جنم لے۔

''بیگوانڈیز'' (Biguanides) ادویہ کی دوسری قسم ہے۔یہ خون میں شکر کی مقدار کم کرتی ہیں۔ان کے کام کا طریق کار یہ ہے کہ پہلے جگر میں ذخیرہ شدہ شکر کا اخراج روکتی ہیں۔پھر کاربوہائیڈریٹس سے بنی زائد شکر کو خون میں داخل نہیں ہونے دیتیں۔اس طرح شکر کی کمی سے ذیابیطس کی علامات ماند رہتی ہیں۔

ادویہ کی تیسری قسم ''میگلی ٹائنڈیز'' (Meglitinides) مریض کے لبلبے میں انسولین زیادہ بناتی ہیں۔مسئلہ یہ ہے کہ دورانِ علاج ڈاکٹر جسم میں انسولین کی مقدار چیک نہیں کرتے۔شکر کی طرح جسم میں انسولین کی بڑھتی مقدار بھی نقصان دہ ہے۔

سلفونائلوریز (Sulfonylurea) ذیابیطس کے علاج میں مستعمل چوتھی قسم کی

ادویہ ہیں۔ یہ بھی لبلبہ سے انسولین کے اخراج میں اضافہ کرتی ہیں۔ آخر میں "تھیازولڈ یناؤ ڈیز" (Thiazolidinediones) نامی ادویہ بدترین ہیں۔ان کا مسلسل استعمال مریض کو جگر کے کینسر میں مبتلا کر دیتا ہے۔امریکا میں پیٹنٹ شدہ دوا "ریزولین" Rezulin ادویہ کے اسی گروہ سے تعلق رکھتی تھی۔

دوا نے جانیں لے لیں: یہ دوا پارک۔ڈیوس کمپنی کے ماہرین نے 1990 کے عشرے میں تیار کی تھی۔اسے پھر امریکا میں ادویہ کی منظوری دینے والے ادارے، ایف ڈی اے کے پاس بھیجا گیا۔وہاں جان گوریگوان نامی ڈاکٹر نے ریزولین دوا کو انسانی صحت کے لیے خطرہ قرار دیتے ہوئے نامنظور کر دیا۔پارک۔ڈیوس کمپنی نے امریکہ حکومت میں تعلقات کی بنا پر ڈاکٹر جان کا تبادلہ کروا ڈالا۔جو نیا ڈاکٹر آیا، اس نے دوا کی منظوری دے دی۔بعدازاں ایک سو سے زائد ذیابیطس کے مریض ریزولین استعمال کرنے کی وجہ سے جاں بحق ہو گئے۔تب امریکی حکومت کو ہوش آیا اور دوا کی فروخت پر پابندی لگا دی گئی۔دنیا بھر میں بعض ڈاکٹر ذیابیطس قسم دوم میں مبتلا مریضوں کو بھی انسولین دے ڈالتے ہیں۔مقصد یہ ہے کہ وہ جسم میں قدرتی انسولین کی کمی پوری کر سکے مگر یہ بہت بڑی کوتاہی ہے۔مریض کے جسم میں پہلے ہی انسولین زیادہ ہوتی ہے۔لہٰذا مصنوعی انسولین کی زیادتی مریض کو موت کے منہ میں پہنچا سکتی ہے۔

ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں 95 فیصد مریض ذیابیطس قسم دوم اور 5 فیصد ذیابیطس قسم اول میں مبتلا ہیں۔قسم اوّل کے مریضوں کو تو ساری عمر انسولین لینا پڑتی ہے کیوں کہ ان کا لبلبہ خراب ہوتا ہے۔البتہ ذیابیطس قسم دوم کے مریض اپنا طرز زندگی خصوصاً خوراک کا نظام تبدیل کرنے سے صحت یاب ہو سکتے ہیں۔پہلی شرط یہ ہے کہ ہر قسم کی مصنوعی چکنائی سے گریز کیجیے۔پراسیس شدہ پکانے کے تیل نہیں قدرتی تیل استعمال کریں۔

علاج کا طریقہ کار: انسان اگر باقاعدگی سے مچھلی، السی، سرسوں، ناریل کا تیل

یا دیسی گھی استعمال کرے، تو اس کے خون میں شکر کی مقدار متوازن ہونے لگتی ہے۔ اب انسان اپنی غذا میں زیتون کا تیل بھی شامل کر سکتا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ شکر کی سطح توازن میں آتے ہی آپ پھر پروسیس شدہ غذائیں چٹ کرنے لگیں۔ اب آپ کو تاعمر ان غذاؤں سے دور رہنا ہے۔ تبھی ذیابیطس قابو میں آئے گا۔ غذا کے ذریعے ذیابیطس کو مار بھگانے کا طریق کار یہ ہے کہ دن بھر ایسے کھانے کھایئے جن میں فائبر کافی زیادہ جب کہ شکر غائب ہو۔ اس طرح خون میں شکر کی مقدار متوازن رہے گی۔ چینی اور زہریلے میٹھے عناصر مثلاً ایسپارٹیم سے بنی غذائیں بالکل نہ کھایئے۔ اگر میٹھی چیز کھانی ہے، تو اس میں کوئی قدرتی مٹھاس شامل کیجیے۔ بہتر ہے کہ کھانے کے بعد چہل قدمی کریں مزید برآں گلوکوز میٹر خرید لیجیے۔ اس کی مدد سے آپ کو اپنے خون میں شکر کی مقدار معلوم رہے گی۔

اس غذائی علاج سے رفتہ رفتہ جسم خون میں شکر کی مقدار دوبارہ کنٹرول کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اب انسانی بدن میں چکنائی کی مقدار بھی توازن میں رہتی اور صحت کو فائدہ پہنچاتی ہے۔ لیکن مریض جیسے ہی پروسیس شدہ تیل اور غذائیں کھانے لگے، تو خون میں شکر کی مقدار پھر بڑھ جائے گی اور سارا نظام تلپٹ ہو جائے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ آپ صحت مند غذائیں کھانا اپنی عادت بنا لیں تا کہ جنک (junk) غذاؤں کی لت سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا پا لیں۔
خون میں شکر کی مقدار متوازن رکھنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جسم میں انسولین کی مقدار اعتدال پر آجاتی ہے۔ وجہ یہ کہ شکر کی متوازن مقدار کے باعث لبلبہ انسولین کم مقدار میں خارج کرتا ہے۔ لیکن یہ امر نامعلوم ہے کہ لبلبہ کب کم انسولین خارج کرنے لگتا ہے۔ آپ اپنے خون میں شکر اور جسم میں انسولین ہارمون کی مقدار باقاعدگی سے نوٹ کرتے رہیں۔ اس طرح صحت مند طرز زندگی اختیار کرنے کے بعد آخر ایک دن آپ یہ جاننے میں کامیاب ہو سکتے ہیں کہ لبلبہ اب فطری طور پر اپنا فرض ادا کرنے لگا ہے۔

ایک ترکیب یہ ہے کہ جب خون میں شکر کی مقدار متوازن ہو جائے تب دو ماہ انتظار کیجیے۔

پھر ڈاکٹر کے پاس جا کر انسولین کی مقدار یا سطح چیک کرائیے۔جب بھی آپ کو علم ہو کہ لبلبہ زیادہ مقدار میں انسولین خارج نہیں کر رہا، تو جان جایئے کہ آپ ذیابیطس سے نجات پا چکے۔خوشی کی بڑی بات یہ کہ آپ نے اس موذی بیماری سے بذریعہ ادویہ نہیں فطری طریقے سے نجات پائی۔

یاد رکھنے کی باتیں: تاہم یہ یاد رہے کہ اگر آپ کئی برس سے ذیابیطس کے مریض چلے آ رہے ہیں، تو یقیناً وہ آپ کے گردوں، آنکھوں، دل وغیرہ کو متاثر کر چکا ہو گا۔اب ان اعضاء کو علیحدہ طور پر صحت مند بنانا ہے مگر انہیں درست کرتے ہوئے بھی فطری طریق اپنایئے اور پروسیس شدہ ومصنوعی غذاؤں سے دور رہیے۔عام طور پر بھی اعضاء رفتہ رفتہ منفی اثرات سے پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔گردے عموماً ذیابیطس قسم دوم چمٹے رہنے کے دوران سب سے پہلے خراب ہوتے ہیں۔ وجہ یہ کہ گردوں کی جھلیاں بہت نرم و نازک ہوتی ہیں۔جب خون میں شکر کی مقدار زیادہ ہو جائے تو وہ لیک کر جاتی ہیں۔گردے یہ لیکج دور کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں تاہم یوں ان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔وہ پھر پہلے کی طرح صفائی وعمدگی کے ساتھ جسم سے زہریلا مائع خارج نہیں کر پاتے۔خوشخبری یہ ہے کہ جب ذیابیطس سے جان چھوٹ جائے تو گردے مزید خراب نہیں ہوتے

ایک مشورہ یہ ہے کہ ذیابیطس اگر آپ کی بینائی کو نقصان پہنچا چکے تو پردہ چشم (Retina) کا آپریشن مت کرایئے۔وجہ یہ کہ آپریشن سے پردہ چشم پر دھبے اور نشان پڑ جاتے ہیں۔آنکھوں کو پھر یہ نشان مندمل کرتے ہوئے بہت تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔لہٰذا ذیابیطس جا رہا ہے تو چند ماہ انتظار کیجیے۔آنکھیں رفتہ رفتہ صحت یاب ہو جائیں گی۔ذیابیطس قسم دوم میں ہمارا جسم انسولین ہارمون کی مدد سے خون میں شکر کی مقدار کنٹرول نہیں کر پاتا۔یہ کیفیت طبی اصطلاح میں ''انسولین مزاحمت'' (Insoline Resistance) کہلاتی ہے۔یہ حالت عموماً بسیار خوری اور مٹاپے سے جنم لیتی ہے۔یہی وجہ ہے، ذیابیطس اور کئی دیگر بیماریوں میں صحت بخش غذا کھانا بنیادی شرط ہے۔

زیادہ بھنا گوشت مت کھایئے: جدید تحقیق نے انکشاف کیا ہے کہ جن غذاؤں میں پروٹین یا چربی پائی جاتی ہے، انھیں اگر تیز آگ میں پکایا جائے تو ان کے پروٹین اور چربی کے سالمات میں کیمیائی تبدیلی جنم لیتی ہے۔ انسان جب بلند درجہ حرارت میں پکی یہ غذائیں تناول کرے، تو جسم میں پہنچ کر کیمیائی تبدیلی کے سبب پروٹین اور چربی کے سالمات شکر کے سالموں سے مل جاتے ہیں۔ پروٹین، چربی اور شکر کا یہ سالماتی مجموعہ طبی اصطلاح میں ایڈوانسڈ گلائیکیشن اینڈ پروڈکٹس'' کہلاتا ہے۔ عرف عام میں اسے ''اے۔جی۔ایز'' کہتے ہیں۔

خاص بات یہ ہے کہ پروٹین، چربی اور شکر کا یہ مشترکہ سالماتی مجموعہ مضر صحت ہے۔ یہ انسانی جسم میں سوزش بڑھاتا اور ''آزاد اصلیے پیدا کرتا ہے۔ آزاد اصلیے ہمارے خلیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں چنانچہ انسان متفرق بیماریوں مثلاً ذیابیطس، امراض گردہ اور الزائمر مرض کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اگر انسانی جسم میں اے جی ایز کی مقدار بہت بڑھ جائے تو انسان جلد بوڑھا ہونے لگتا ہے۔

سرخ گوشت تیز آگ پر پکانے سے اس میں سب سے زیادہ اے جی ایز جنم لیتے ہیں اس کے بعد چکن، پنیر (چیز)، برگر، فرائی انڈہ اور بھنے مغزیات کا نمبر آتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ خصوصاً سرخ گوشت ہلکی آگ پر پکایئے تاکہ اس کے پروٹینی و چکنائی کے سالمات میں زہریلی کیمیائی تبدیلی کم سے کم جنم لے سکے۔ انسانی بدن میں اے جی ایز کی زیادتی بھی انسولین مزاحمت پیدا کرتی ہے۔

پاکستان میں مگر لاکھوں لوگوں کے لیے کڑاہی گوشت، کٹا کٹ، بھنے سالنوں سے منہ موڑنا مشکل ہوگا۔ زبان کا چٹخارہ انھیں ایسا گوشت کھانے پر اکسا سکتا ہے مگر یاد رہے کہ ایسی غذاؤں سے دور رہ کر ہی انسان صحت مند ہوگا۔ ہاں کبھی کبھی، مہینے میں ایک بار کوئلوں میں پکے سیخ کباب، تکہ بوٹی وغیرہ کھالیجیے۔ ان کے زہریلے اثرات سے ہمارے جسم کا حفاظتی (مامون) نظام چھٹکارا پالیتا ہے۔

سب سے بڑی دولت: مسئلہ یہی ہے کہ انسان جب کھانے بیٹھے،تو پھر مضر صحت غذائیں پیٹ میں انڈیلتا چلا جاتا ہے۔اکثر لوگوں کا فلسفہ ہے کہ زندگی مختصر ہوتی ہے،لہٰذا پرہیز کر کے اسے برباد نہ کیا جائے۔یہ لوگ پھر ہر شے کھل کر کھاتے مگر وقت سے پہلے چل بستے ہیں۔ایسے لوگوں کے نزدیک کھانا پینا ہی زندگی ہے۔وہ دنیا میں کوئی کارنامہ انجام دیتے نہیں بس شکم سیری کرنے آتے ہیں۔ان لوگوں کا جسمانی حفاظتی نظام بھی کچھ کر نہیں پاتا اور جلد ناکارہ ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیے! دنیا میں سب سے بڑی دولت عمدہ صحت ہے اور یہ دولت صرف اچھی غذائیں کھانے سے ہی حاصل ہوتی ہے۔انسان نوجوانی میں جنک فوڈ کھاتا رہے،تو چالیس،پچاس سال کی عمر میں متفرق بیماریوں کا نشانہ بن جاتا ہے۔بڑھاپا اس پر جلد حملہ آور ہوتا ہے۔وہ باتیں بھولنے لگتا ہے۔چلتے ہوئے سانس پھولتا ہے۔غرض وہ کسی کام کا نہیں رہتا۔

صحت مند رہنے کا ایک راز یہ ہے کہ ہلکی آنچ پر کھانا پکایئے۔اس طرح خصوصاً سرخ گوشت میں پروٹین اور چکنائی شکر سے ملاپ نہیں کرتی۔یوں زہریلے اجزا بھی جنم نہیں لیتے۔نیز کوشش کیجیے کہ جو غذا آپ کچی یعنی فطری انداز میں کھا سکتے ہیں،اسے پکانے کی کوشش نہ کریں۔بعض سبزیاں بھی پکتے ہوئے زہریلے اے جی ایز پیدا کرتی ہیں مگر ان کی مقدار کم ہوتی ہے اور ہمارا حفاظتی جسمانی نظام انھیں بے اثر بنا ڈالتا ہے۔

کھانے کے زہریلے اجزا کم از کم رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے ہلکی آنچ پر پکایئے۔نیز کھانے میں لیموں کا رس ملا لیجیے۔لیموں کا تیزاب زہریلے اے جی ایز پیدا نہیں ہونے دیتا نیز کھانے کا ذائقہ بھی بہتر ہو جاتا ہے۔ہلکی آگ پر دیر تک پکنے سے سبزی کی غذائیت محفوظ رہتی ہے یہ صحت مند رہنے کا آسان فارمولا ہے۔

ذیل میں وہ غذائیں ہیں جو تیز آگ پر پکنے سے کثیر مقدار میں زہریلے اے جی ایز پیدا کرتی ہیں:

i) سرخ گوشت ii) تلی ہوئی (فرائیڈ) پروٹین و چکنائی کی غذائیں

iii) پروسیس شدہ پکانے کے تیل iv) مارجرین

v) مکھن vi) ڈبہ بند غذائیں پنیر، فرائی انڈہ اور چپس۔

درج بالا غذائیں اگر ہلکی آگ میں بھی پکائی جائیں، تو ان میں کچھ اے جی ایز ضرور جنم لیتے ہیں۔ اگر آپ طویل عرصے سے ذیابیطس میں مبتلا ہیں، تو اپنا غذائی علاج کرتے ہوئے بہتر ہے کہ ان غذاؤں سے پرہیز کیا جائے۔ تاہم کبھی کبھی ایسی اشیا کھا سکتے ہیں جن میں کم اے جی ایز پیدا ہوتے ہیں مثلاً فرائی انڈہ۔

ذیل میں درج غذائیں پکتے ہوئے کم زہریلے اے جی ایز پیدا کرتی ہیں:

سالم اناج سبزی پھل سمندری غذا سبزی کے برگر

درج بالا میں سے کئی غذائیں پکائے بغیر کھانا ممکن ہے۔ بہت سی غذائیں کم درجہ حرارت میں پک سکتی ہیں۔ ایسی غذاؤں کا استعمال انسان کو تندرست رکھتا ہے۔ تندرستی حاصل کرنے میں ورزش کا بھی اہم کردار ہے۔ لہٰذا اس جسمانی سرگرمی سے بھی ناتا جوڑیے تاکہ مزید طبی فوائد حاصل ہو سکیں۔ روزانہ محض بیس پچیس منٹ کی ورزش بھی آپ کو بے پناہ فوائد دے گی۔

پچھلی نصف صدی سے میڈیا مسلسل سیر شدہ (سچوریٹڈ) چکنائی کے خلاف پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ کہا گیا کہ یہ چکنائی شریانوں میں طبی مسائل پیدا کرتی ہے۔ مثلاً دل تک خون نہیں پہنچ پاتا۔ دماغ کی سمت بھی خون کی روانی کم ہوتی ہے۔ اس باعث الزائمر مرض جنم لیتا ہے۔ موٹاپے اور کولیسٹرول کی زیادتی کا بھی سیر شدہ چکنائی سے تعلق جوڑا گیا۔

سچ یہ ہے کہ غذائیں فطری طور پر صحت مند سیر شدہ چکنائی بھی رکھتی ہیں۔ ان میں ناریل کا تیل شامل ہے۔ بحرالکاہل کے جزائر میں آباد لاکھوں لوگ روزانہ ناریل کے تیل ہی سے 30 تا 60 فیصد حرارے (کیلوریز) حاصل کرتے ہیں۔ وہ نہایت صحت مند ہوتے اور طویل عمر پاتے ہیں۔ ناریل کا تیل نقصان دہ ہوتا، تو ان لوگوں میں امراض قلب، ذیابیطس وغیرہ بکثرت پائے جاتے لیکن ایسا نہیں ہے۔

ناریل کا تیل استعمال کرنے کی وجہ سے وہ تندرست رہتے ہیں۔انھیں اس سے بیشتر غذائیات مل جاتی ہیں مگر آلو کے چپس یا پیزہ میں بھی سیر شدہ چکنائی ملتی ہے ان غذاؤں کو پھر مفید کیوں نہیں سمجھا جاتا؟ دراصل ان غذاؤں میں مصنوعی طور پر سیر شدہ چکنائی پائی جاتی ہے۔یہ چکنائی پروسیس شدہ غذاؤں کی عمر بڑھاتی ہے یعنی الماری میں رکھے رکھے وہ جلد خراب نہیں ہوتیں۔

مثال کے طور پر ویجیٹبل آئل کو لیجیے جو پاکستانی گھرانوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کارخانے میں ہائیڈروجینیشن عمل کے ذریعے اس تیل میں ہائیڈروجن ایٹم شامل کیے جاتے ہیں پھر تیل کو خوب گرم کیا جاتا ہے تاکہ وہ گاڑھا ہو جائے۔اس سارے عمل سے تیل مضر صحت بن جاتا ہے۔

دلچسپ بات یہ کہ شعور اور آگاہی بڑھنے سے کم از کم پڑھے لکھے مرد و زن جان چکے کہ پروسیس شدہ غذائیں صحت کے لیے اچھی نہیں مگر وہ انھیں بدستور خریدتے رہتے ہیں۔ایک وجہ یہ ہے کہ پروسیس غذائیں قدرتی غذاؤں کے مقابلے میں سستی ہیں۔پھر وہ ہر جگہ دستیاب ہیں۔ ہمارا جسم مصنوعی سیر شدہ چکنائی قبول نہیں کرتا لہٰذا وہ ہمارے بدن میں کھلواڑ مچانے لگتی ہے۔

اس لیے ہائیڈروجینیٹڈ تیل سے پرہیز کیجیے۔اس کی جگہ ناریل یا سرسوں کا تیل استعمال کرنا بہتر ہے۔دیسی گھی بھی مفید ہے۔ان کی سیر شدہ چکنائی ہمارا جسم قبول کر لیتا ہے چنانچہ وہ پھر ہمیں طبی فوائد دیتی ہے۔مثلاً چاق و چوبند رکھتی ہے۔ہمارا حفاظتی جسمانی نظام طاقتور رہتا ہے ہمیں مزید توانائی ملتی ہے۔

ناریل کے تیل میں لورک تیزاب (Lauric Acid) ملتا ہے۔یہ تیزاب ہمارے جسم میں پہنچ کر ایک کیمیکل ”مونولورین“ میں بدل جاتا ہے۔یہ کیمیکل جراثیم کش اور وائرس کش ہے مطلب یہ کہ اگر انسانی جسم میں ایڈز، یرقان، انفلوئنزا اور دیگر بیماریوں کے جرثومے یا وائرس داخل ہوں، تو مونولورین انھیں ختم کر ڈالتا ہے۔ (جاری ہے)

حضور اکرم ﷺ! بحیثیت رحمۃ للعلمین، اور شافع اُمت

(عبدالقیوم ہاشمی)

آج کے اظہار خیال میں، میں آپ کے سامنے نبی پاک ﷺ کا تمام جہانوں کے لیے رحمت اور شافع امت ہونے کے حوالے سے بات کروں گا۔اس سلسلے میں چند احادیث مبارکہ آپ کے سامنے پیش ہیں۔نیز سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم میں سیرت النبی ﷺ کو کس طرح دیکھا جاتا ہے،قرآن وسنت کی روشنی میں اسے واضح کیا جائے گا۔قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

ترجمہ:''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے''۔

جب ہم قرآن کریم کی پہلی سورت فاتحہ پڑھتے ہیں تو اس کا آغاز الحمدللہ رب العالمین سے ہوتا ہے اور حضور کریم ﷺ کا تعارف رحمۃ للعلمین ہے۔ایک طرف اللہ تعالیٰ نے جو تمام مخلوقات کا ربّ ہے،جس نے ان کو عدم سے وجود بخشا ہے وہ رب العلمین ہیں اور نبی کریم ﷺ کو رحمۃ للعلمین کا لقب عطا فرمایا ہے۔اگر غور کیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحم کا اعزاز نبی کریم ﷺ کو بخشا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک وحی کا نظام ہے،جس کا انچارج ربّ کریم نے حضرت جبرائیلؑ کو بنایا ہے اسی طرح رزق رسانی کا جو نظام ہے اس کیلئے حضرت میکائیلؑ کو اس کا انتظام سونپا گیا۔ اس کے علاوہ اللہ کے جو دوسرے نظام ہیں ان کے لیے اللہ کے فرشتے کام کر رہے ہیں۔اس طرح موت کے حوالے سے دیکھیں تو اللہ کی ایک صفت ہے''الممیت'' موت دینے والا۔تو اس صفت کی ذمہ داری بھی برگزیدہ فرشتے حضرت عزرائیلؑ کو سونپی گئی ہے۔اسی طرح نبی کریم ﷺ کو صفت رحم کا انچارج اور سرپرست بنا کر بھیجا ہے۔کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ اللہ سے ہم کلام ہونے کے بعد لوگوں میں تشریف لاتے تو ان کا اثر بہت زیادہ ہوتا تھا۔ان کی طبیعت اتنی لطیف ہو جاتی تھی کہ جب لوگ گفتگو کرتے تو ان کو بات چیت میں اس حد تک کثافت محسوس

ہوتی تھی کہ وہ بے ہوش ہو جایا کرتے تھے اور کئی دنوں کے بعد ان کی طبیعت نارمل عام لوگوں کی طرح ہوتی تھی۔ مطلب اللہ تعالیٰ کے کلام کا اتنا ان کی طبیعت پر اثر ہوتا تھا۔ نبی کریم ﷺ پر بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رحم کا اثر اس حد تک ہوتا تھا کہ آپ ﷺ امت کے غم میں بہت زیادہ پریشان ہو جایا کرتے تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ۔

ترجمہ : ”بے شک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مومنین پر بہت مہربان ہیں“۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگو ہم نے تم ہی میں سے رسول ﷺ بھیجے ہیں جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہوتا ہے یا تم پر تھوڑی سی تکلیف بھی ان پر بہت گراں گزرتی ہے۔ اور وہ اُمت کے معاملہ میں بہت حریص ہیں۔ حریص کا مفہوم عربی میں لالچ کا ہے۔ حریص لالچی انسان کو کہتے ہیں، لالچی کا لفظ منفی الفاظ میں آتا ہے لیکن آپ ﷺ اپنی امت کے بارے میں اتنا فکر مند رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حریص کا لفظ استعمال کیا ہے۔ بعض دفعہ کسی ایک لفظ سے صورت حال مکمل طور پر بیان نہیں کی جا سکتی یا اس کا مفہوم واضح نہیں ہو سکتا تو اس کے ساتھ کسی منفی لفظ کا اضافہ کیا جاتا ہے جیسے انگلش میں Honest ایماندار شخص کو کہتے ہیں لیکن جس کو زیادہ ایماندار کہنا ہو تو اس کے ساتھ ڈیڈ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حریص کا لفظ استعمال کیا ہے جس طرح ہماری زبان میں خوبصورت حسینہ کو قاتل حسینہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت رؤف بھی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو عبد الروف یا عبد الرحیم نہیں کہا ہے بلکہ آپ کو روف و رحیم کے القاب سے نوازا ہے یعنی آپ نے اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفات کو اسی قدر اپنے اندر سمایا ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے روف و رحیم کے ٹائٹل سے آپ کو

مخاطب فرمایا ہے/ نوازا ہے۔

قرآن میں آتا ہے کہ آپ اپنی جان کو کیوں ہلاکت میں ڈالتے ہیں آپ کے ذمہ تو صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دینا ہے۔حضور کریم ﷺ کی زندگی میں نظر آتا ہے کہ آپ مخلوق خدا کی اصلاح و فلاح کے لیے کس قدر پریشان اور غم زدہ رہتے۔آپ ﷺ کا فرمان بھی ہے کہ میری مثال اس شخص کی ہے جو لوگوں کو آگ کے گڑھوں میں گرتے ہوئے لوگوں کو اٹھا اٹھا کر باہر کی طرف لے کر آتا ہے یعنی میں ان کو آگ کے گڑھوں سے دور کرتا ہوں۔

حضور اکرم ﷺ ساری مخلوق کے لیے رحمت بن کر تشریف لائے اور قیامت تک کے لیے رشد و ہدایت کا پیغام لے کر آئے۔آپ کی شدید خواہش تھی کہ میرے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص دوزخ میں نہ جائے۔ایک دفعہ کسی یہودی کا جنازہ گزر رہا تھا تو رسول کریم ﷺ کھڑے ہو گئے تو صحابہ نے عرض کی یارسول اللہ یہ ایک یہودی کا جنازہ ہے۔آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ میرے ہوتے ہوئے ایک شخص دوزخ میں چلا گیا۔یہ محبت حضور اکرم ﷺ کی ہر شخص اور ہر امتی کے لیے تھی۔اور اگر ہم شفاعت کے حوالے سے دیکھیں تو نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ میں ہے کہ آپ ایک غزوہ میں شریک تھے تو ایک وقت آپ رات کو کسی سائیڈ پر اکیلے ہی چلے گئے تو چند صحابہ حضرت معاذ بن جبل ،حضرت ابو ذر غفاری اور دوسرے کئی صحابہ تھے تو وہ حضور ﷺ کو تلاش کرتے ہوئے درختوں کے ایک جھنڈ کی طرف گئے تو حضور اکرم ﷺ نے ان کے نام لے کر ان کو بلایا اور فرمایا کہ میں ادھر ہوں آپ ادھر آجائیں ۔تو جب وہ صحابہ کرام آپ کے پاس گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری اللہ تعالیٰ سے بات چیت چل رہی تھی تو اللہ تعالیٰ فرما رہے تھے کہ اے محمد ﷺ میں آپ کی دلجمعی کے لیے آپ کی آدھی امت کو بغیر حساب کے بخش دوں گا یا پھر آپ شفاعت کا حق قبول کر لیں اپنی امت کے لیے۔تو صحابہ کرام نے عرض کیا تو پھر آپ ﷺ نے کون سا آپشن قبول کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے شفاعت کا آپشن قبول کیا کیوں کہ بہت سے ایسے لوگ ہوں گے

جو اپنے اعمال کی وجہ سے جنت چلے جائیں گے تو جو لوگ گناہ گار ہوں گے میں ان کے لیے شفاعت کا حق استعمال کروں گا تا کہ وہ لوگ دوزخ جانے سے بچ جائیں۔ اس سے آپ ﷺ کی رحمت کا پہلو نمایاں واضح ہو رہا ہے۔ مسجد نبوی شریف میں ایک حدیث شریف لکھی ہوئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میری شفاعت کبیرہ گناہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ بار بار اللہ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ میرے امتی دوزخ میں ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ آپ نکال کر لے آئیں۔ معراج شریف کے موقع پر جب آپ نمازیں کم کروانے کے لیے بار بار آتے جاتے تھے تو آپ نے فرمایا کہ اب مجھے اللہ سے شرم آتی ہے لیکن قیامت کے دن شفاعت کے لیے آپ بار بار اللہ سے عرض کریں گے اور بالکل شرم نہیں محسوس کریں گے۔ پھر آخر میں رسول اللہ فرمائیں گے کہ یا اللہ ابھی بھی تھوڑے سے رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان کو کتاب نے روک لیا ہے یعنی وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کے گناہ کبیرہ شرک وغیرہ جیسے ہوں گے۔ رحمت کے حوالے سے ایک اور واقعہ بھی ملتا ہے کہ ایک حبشی عورت مسجد کی صفائی ستھرائی کرتی تھی تو اس کا انتقال ہو گیا جب حضور کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھے اس عورت کی قبر پر لے چلو تو آپ ﷺ نے اس کی قبر پر جا کر دعا فرمائی۔ اور واپسی پر ارشاد فرمایا کہ جب میں وہاں دعا کے لیے گیا تو دیکھا کہ وہاں تمام قبریں اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں لیکن جب میں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو نور سے بھر دیا تو یہ رسول کریم ﷺ کی دعا کا اثر اور آپ کی رحمت عالم کی صفت کا اظہار ہے۔

لیکن اس سے پہلے جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ﷺ اپنے امتیوں کو دوزخ سے نکال کر لائیں گے تو سمجھ لینا چاہیے کہ معاملہ اتنا بھی سادہ نہیں ہے یعنی وہ پہلے اپنے گناہوں کے سبب دوزخ میں ڈالیں جائیں گے۔ لہٰذا ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیے۔ جس طرح ایک قابل استاد کو پتہ ہوتا ہے کہ اس کا فلاں طالب علم فیل ہو سکتا ہے تو وہ اس کی فکر کرتا ہے کہ وہ کسی طرح کامیاب ہو جائے تو وہ اس پر زیادہ توجہ کرتا ہے لیکن جن پر اعتماد ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی اچھے نمبروں

سے کامیاب ہو جائیں گے تو ان کے بارے میں وہ زیادہ فکر مند نہیں ہوتا۔ حالاں کہ وہ استاد کو سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ جناب رسول کریم ﷺ کو بھی زیادہ پیارے وہی لوگ ہیں جو آگے جانے والے ہیں سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی بھی یہی تعلیم ہے کہ ہم سو فی صد کامیاب ہوں کیوں کہ جناب رسول کریم جب ان کو دوزخ سے نکال کر لائیں گے تو اس سے پہلے نہ جانے وہ کتنا عرصہ دوزخ میں رہے ہوں گے لہٰذا اس معاملے کو اتنا آسان اور سادہ نہیں سمجھنا چاہیے اور قرآن کی تعلیم کے مطابق "قد افلح من تزکیٰ" پس وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنا تزکیہ کیا اور اللہ کے نام کا ذکر کیا اور نماز پڑھی۔ قرآن کریم میں شیطان کو انسان کا کھلا دشمن قرار دیا گیا ہے شیطان کیا کرتا ہے وہ انسان کو اللہ کی یاد سے غافل کرتا اور اس کے راستے سے روکتا ہے۔ وہ انسان کو ہر لحاظ سے گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ انسان کو خدا کی یاد سے غافل کرنے کے ساتھ ساتھ بعض دفعہ نیکی کے ذریعے بھی گمراہ کر دیتا ہے یعنی وہ انسان کو اپنی عبادت پر مغرور بنا کر اس کے سارے اعمال کو تباہ و برباد کر دیتا ہے ہم اس کی چالوں کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہیں وہ ہر طرح سے انسان پر وار کرتا ہے اس کا ایک بہت اہم طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی پناہ میں آ جائیں۔ جب ہم اللہ کی پناہ میں آ جائیں گے تو ہم شیطان سے بچ جائیں گے تو اس کا طریقہ بھی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ کی یاد ہمیں شیطان سے بچا کر رکھے گی۔ کیوں کہ شیطان ایک پرندے کی مانند انسان کے قلب پر چونچ ڈال دیتا ہے جب تک انسان اللہ کا ذکر کرتا رہتا ہے تو وہ چونچ نکال کر پیچھے ہو جاتا ہے۔ تو ذکر کی اتنی فضیلت ہے کہ جب تک انسان اللہ کے ذکر میں رہتا ہے تو وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ذکر کی مثال ایک قلعے کی بھی دی ہے کہ جب تک انسان اللہ کے ذکر میں رہتا ہے تو وہ اللہ کی حفاظت میں رہتا ہے اور اس کے پیچھے شیطان کا جو لشکر لگا ہوا ہے وہ اس سے محفوظ رہتا ہے۔

اللہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم کے مطابق سیرت و کردار کو بہتر بنانا اور اپنی زندگی کو اسوہ رسول ﷺ کے مطابق ڈھالنا ہی سو فی صد کامیابی ہے۔ رسول اللہ ﷺ

کے بدترین دشمن بھی آپ کو صادق اور امین کے القاب سے پکارتے تھے جب کہ ہمارا ظاہر و باطن کیسا ہے! ہم سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنانے کے لیے کس حد تک جاسکتے ہیں۔ ہمارے زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہم دعویٰ تو عشق رسول ﷺ کا کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اس کے بالکل برعکس ہیں اور صرف زبانی باتوں اور کھوکھلے نعروں پر ہی اپنا جی بہلا رہے ہیں۔ بحیثیت فرد اور قوم ہم لوگ منافقت سے کام لے رہے ہیں۔ اگر ہم رسول کریم ﷺ کی صرف انہی دو صفات کو اپنے اندر پیدا کرلیں تو کامیابی کے راستے پر گامزن ہوسکتے ہیں۔ یعنی سچائی اور امانت۔

حضور ﷺ تو اپنی امت کے لیے بہت غمگین ہوتے تھے۔ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیائے کرام کو یہ اختیار دیا تھا کہ وہ کوئی بھی دعا کرلیں۔ میں وہ قبول کرلوں گا۔ لیکن جناب رسول کریم نے وہ دعا قیامت کے دن کے لیے رکھ دی ہے میں وہ قیامت کو مانگوں گا۔ اور اپنی امت کو بخشواؤں گا۔ آپ ﷺ کو اپنی امت سے اتنی محبت تھی اور آج امت کیا کررہی ہے یہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔

الحمدللہ سلسلہ عالیہ توحیدیہ معاشرے کو نبی رحمت ﷺ کی تعلیمات سے ہم آہنگ کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم بالکل قرآن وسنت کے مطابق ہے سو فی صد کامیابی والا راستہ ہے اگر یہی پیغام ہم دوسرے لوگوں تک پہنچائیں اور ان کو اس تعلیم سے آگاہ کریں تو یہ بہت بڑا کام ہے اور اللہ کے ہاں اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے تو یہ پیغام پہنچا دیا اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر گواہی دی کہ میں نے اللہ کا پیغام آپ لوگوں تک پہنچا دیا تو سب لوگوں نے بہ یک زبان ہوکر کہا کہ ہاں آپ نے پہنچا دیا ہے تو پھر آپ نے فرمایا کہ اے اللہ گواہ رہنا کہ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا ہے۔ خیر الامت کا یہ پیغام صحابہ نے لوگوں تک پہنچایا ہے اور اب یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم اس پیغام کو تمام امت تک پہنچانے میں اپنی صلاحیتیں صرف کریں اور قرآن وسنت کی سچی تعلیم کو عام کرنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

مطالعہ سیرت کی اہمیت

(نعیم صدیقی)

رونا اس کا نہیں کہ وہ کچھ حاصل نہیں ہوا جو مطلوب ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر ماتم اس کا ہے کہ ہمارے پلے وہ کچھ پڑ رہا ہے، جو محسن انسانیتﷺ کے پیغام اور کارنامے سے کھلم کھلا ٹکراتا ہے۔ ہمارے اندر آج ایسے عناصر پروان چڑھ رہے ہیں جو حضور اکرمﷺ کے عطا کردہ نظام زندگی کو نا قابل عمل قرار دیتے ہیں۔ ایسے عناصر جو حضورﷺ کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسے عناصر جو سیرت، سنت اور حدیث کا سارا ریکارڈ دریا برد کر دینا چاہتے ہیں۔ ایسے عناصر جو قرآن کو قرآن پیش کرنے والی ہستی کی 23 سالہ جدوجہد سے بے تعلق کر دینا چاہتے ہیں، اور حضورﷺ کی ہستی کو بطور عملی نمونہ انسانیت کی نگاہوں سے گم کر دینے کی خاطر کوشاں ہیں۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ تعبیر و تاویل کے نام پر حضورﷺ کی شخصیت، پیغام اور کارنامے کو موجودہ فاسد تہذیب کے فکری سانچے میں ڈھال کر پیش کرنے کی کوششیں بھی ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں کہ جس میں محسن انسانیتﷺ کی بالکل نئی تصویر عالمی طاقتوں کے ذوق کے مطابق تیار کر دی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ سرور عالمﷺ کی محبت و عقیدت کے بے شمار مظاہر موجود ہونے کے باوجود اور سیرت پر دماغی کاوشیں صرف ہونے کے باوجود ہماری تاریخ کے افق سے وہ نیا انسان طلوع نہیں ہو رہا جس کا نمونہ کامل حضورﷺ نے پیش فرمایا تھا۔ حضورﷺ کی سیرت ہمارے اندر بجز اس کے کسی طرح جلوہ گر نہیں ہو سکتی کہ ہم اس نصب العین کے لیے ویسی ہی جدوجہد کرنے اٹھیں، جس کے لیے حضورﷺ کی پوری زندگی وقف پاتے ہیں۔

محمدﷺ کی سیرت ایک فرد کی سیرت نہیں بلکہ وہ ایک تاریخی طاقت کی داستان ہے، جو انسانی پیکر میں جلوہ گر ہوئی۔ وہ زندگی سے کٹے ہوئے ایک درویش کی سرگزشت نہیں ہے جو کنارے بیٹھ کر محض اپنی انفرادی تعمیر میں مصروف رہا ہو، بلکہ وہ ایک ایسی ہستی کی آپ بیتی ہے

جوایک اجتماعی تحریک کی روح رواں تھی ۔وہ محض ایک انسان کی نہیں بلکہ ایک انسان ساز کی آواز ہے وہ عالم نو کے معمار کے کارنامے پر مشتمل ہے ۔ایک پوری جماعت، ایک انقلابی تحریک اور ایک ہیئت اجتماعیہ اس کارنامے کی تفصیل اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔

سرورِ عالم کی سیرت غارحرا سے غارثور تک، حرم کعبہ سے لے کر طائف کے بازاروں تک امہات المومنینؓ کے حجروں سے لے کر میدان ہائے جنگ تک چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ۔اس کے نقوش بے شمار افراد کی کتاب حیات کے اوراق کی زینت ہیں ۔ابوبکر و عمر، عثمان و علی، عمار یاسر و خالد و خویلد اور بلال و صہیب رضوان اللہ علیہا جمعین، سب کے سب ایک ہی کتاب سیرت کے چمکتے دمکتے زندہ اوراق ہیں ۔ایک چمن کا چمن ہے کہ جس کے لالہ وگل اور نرگس و نسترن کی ایک ایک پتی پر اس چمن کے مالی ﷺ کی مقدس زندگی مرقوم ہے ۔وہ قافلہ بہاراں وقت کی جس سرزمین سے گزرا ہے، اس کے ذرے ذرے پر نکہت کی مہریں ثبت کر گیا ہے ۔دنیا کی اس بلندترین شخصیت کو اگر سیرت نگاری میں محض ایک فرد بنا کر پیش کیا جائے اور سوانح نگاری کے مروجہ طرز پر اس کی زندگی کے بڑے بڑے کاموں، اس کی نمایاں مہمات اور اس کے اخلاق و عادات کو بیان کر دیا جائے، کچھ تاریخوں کی چھان بین اور واقعات کی کھوج کرید کر دی جائے تو ایسی سیرت نگاری سے صحیح منشاء ہرگز پورا نہ ہوگا ۔پھر سرورِ عالم کی زندگی کی مثال کسی ایک تالاب میں کھڑے پانی کی سی نہیں کہ جس کے ایک کنارے کھڑے ہو کر ہم بیک نظر اس کا جائزہ لے ڈالیں ۔وہ تو ایک بہتا ہوا دریا ہے کہ جس میں حرکت ہے، روانی ہے، کشمکش ہے، موج و حباب ہیں، سیپیاں اور موتی ہیں، اور جس کے پانی سے مردہ کھیتیاں مسلسل زندگی پا رہی ہیں ۔اس دریا کا رمز آشنا ہونے کے لیے، اس کے ساتھ ساتھ رواں ہونا پڑتا ہے ۔یہی وجہ ہے سیرت کی بہت سی کتابیں پڑھ کر ہمارا درمعلومات تو ملتی ہیں، لیکن ہمارے اندر تحریک پیدا نہیں ہوتی ۔جذبے انگڑائی نہیں لیتے، عزم و ہمت کی رگوں میں نیا خون نہیں دوڑتا، ذوق عمل میں نئی حرارت نہیں آتی، ہماری زندگیوں کا جمود نہیں ٹوٹتا، وہ شرار آرزو ہم اخذ نہیں کر پاتے کہ جس کی گرمی نے ایک یکہ و تنہا اور

بے سروسامان فردکوقرنوں کے جمے ہوئے فاسد نظام کے خلاف معرکہ آرا کردیا۔

اصل میں حضورﷺ معروف اصطلاح کے محدود تصور کے مطابق فقط ایک بڑے آدمی نہ تھے۔ آپﷺ کی سیرت ایک ایسے، 'بڑے' یا 'مشہور' آدمی کی داستان زندگی نہیں ہے، جسے لوگوں کو مشاہیر کے سوانحی سلسلوں میں گنوایا جاتا ہے۔ یہ ہستی 'بڑے' اور 'مشہور' آدمیوں کی سوانح سے بہت اوپر کی نعمت الٰہی ہے۔ دنیا میں بڑے آدمی بہت پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔ بڑے لوگ وہ بھی ہیں جنھوں نے کوئی اچھی تعلیم اور کوئی تعمیری فکر پیش کردی۔ وہ بھی ہیں جنھوں نے اخلاق وقانون کے نظام سوچے۔ وہ بھی ہیں جنھوں نے اصلاح معاشرہ کے کام کیے۔ وہ بھی ہیں جنھوں نے ملک فتح کیے اور بہادری سے منسوب کاموں کی میراث چھوڑی۔ وہ بھی ہیں جنھوں نے عظیم الشان سلطنتیں چلائیں اور وہ بھی ہیں جنھوں نے فقر و درویشی کے حیرت انگیز نمونے ہمارے سامنے پیش کیے۔ وہ بھی ہیں جنھوں نے دنیا کے سامنے انفرادی اخلاق کا اونچے سے اونچا معیار قائم کر کے دکھایا۔۔۔۔ مگر ایسے بڑے آدمیوں کی زندگی کا جب ہم مطالعہ کرتے ہیں تو بالعموم یہی دیکھتے ہیں کہ ان کی قوتوں کا سارا رس اس زندگی کی کسی ایک شاخ نے چوس لیا اور باقی ٹہنیاں سوکھی رہ گئیں۔ ایک پہلو اگر بہت زیادہ روشن ملتا ہے تو کوئی دوسرا پہلو تاریک دکھائی دیتا ہے۔ ایک طرف افراط ہے تو دوسری طرف تفریط۔ لیکن، ان سب کے برعکس نبیﷺ کی زندگی کا ہر گوشہ دوسرے گوشوں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور پھر ہر گوشہ ایک ہی طرح کے کمال کا نمونہ ہے۔ جلال ہے تو جمال بھی ہے، روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، اک گونہ بے خودی بھی ہے مگر اس کے اندر خودی بھی کارفرما ہے۔ اللہ کی عبادت ہے تو اس کے بندوں کے لیے محبت وشفقت بھی ہے۔ کڑا اجتماعی نظم ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے۔ گہری مذہبیت ہے تو دوسری طرف ہمہ گیر سیاست اور کار ریاست بھی ہے۔ قوم کی قیادت میں انہماک ہے مگر ساتھ ساتھ ازدواجی زندگی کا دھارا بھی خوب صورتی سے چل رہا ہے۔ مظلوموں کی دادرسی ہے تو ظالموں کا ہاتھ پکڑنے کا اہتمام بھی ہے۔

آپﷺ کی سیرت کے مدرسے سے ایک حاکم، ایک امیر، ایک وزیر، ایک افسر، ایک ملازم، ایک آقا، ایک سپاہی، ایک تاجر، ایک مزدور، ایک جج، ایک معلم، ایک واعظ، ایک لیڈر، ایک ریفارمر، ایک فلسفی، ایک ادیب، یعنی ہر کوئی یکساں درسِ عمل لے سکتا ہے۔ وہاں ایک باپ کے لیے، ایک ہم سفر کے لیے اور ایک پڑوسی کے لیے یکساں مثالی نمونہ موجود ہے۔ ایک بار جو اس درس گاہ تک آ پہنچا ہے پھر اسے کسی دوسرے دروازے کو کھٹکھٹانے کی ضرورت پیش نہیں آئی انسانیت جس آخری کمال تک پہنچ سکتی تھی وہ اس ایک ہستی میں جلوہ گر ہے۔ اس لیے دنیا کے منصف مزاج لوگوں کے نزدیک اس ہستی کو 'انسانِ اعظم' کے لقب سے پکارنے کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ تاریخ کے پاس 'انسانِ اعظم' صرف یہی ایک ہے جس کو چراغ بنا کر ہر دور میں ہم ایوانِ حیات روشن کر سکتے ہیں۔ کروڑوں افراد نے اس سے روشنی لی، لاکھوں بزرگوں نے اپنے علم و عمل کے دیئے اسی کی لو سے جلائے، دنیا کے گوشے گوشے میں اس کا پیغام گونج رہا ہے اور دیس دیس کے تمدن پر گہرے اثرات اس کی دی ہوئی تعلیم کے پڑے ہیں۔ کوئی انسان نہیں جو اس 'انسانِ اعظم' کا کسی نہ کسی پہلو سے زیرِ احسان نہ ہو۔ لیکن کتنے رنج والم کا مقام ہے کہ اس کے احسان مند اس کو جانتے نہیں، اس سے تعارف نہیں رکھتے۔

اس کی ہستی کے تعارف اور اس کے پیغام کے فروغ کی ذمہ داری اس کی قائم کردہ امت پر تھی، لیکن وہ امت خود ہی اس سے اور اس کے پیغام سے دور جا پڑی ہے۔ اس کے پاس کتابوں کے اوراق میں کیا کچھ موجود نہیں ہے، لیکن اس کی کھلی ہوئی کتابِ عمل کے اوراق پر 'انسانِ اعظم' کی سیرت کی کوئی تصویر دکھائی نہیں دیتی۔ اس کی امت اور قوم کی مذہبیت، اس کی سیاست، اس کی معاشرت، اس کے اخلاق، اس کے قانونی نظام اور اس کے کلچر پر اس سیرت کے بہت ہی دھندلے نشانات باقی رہ گئے ہیں، اور وہ بھی بے شمار نت نئے نقوش میں غلط ملط ہو کر مسخ ہو رہے ہیں۔ اس امت یا قوم کا اجتماعی ماحول زمین کے کسی ایک چپے پر بھی یہ گواہی نہیں دیتا کہ میں محمدﷺ کے دیے ہوئے اصولوں اور اس کی قائم کردہ روایات واقدار کا آئینہ دار ہوں، بلکہ الٹا

یہ امت اور یہ قوم دنیا کے مختلف فاسد نظاموں کے دروازوں پر بھیک مانگتی بھٹکتی پھرتی ہے اور ہر قائم شدہ طاقت سے مرعوب ہو کر اپنے سرمایہ افتخار پر شرمسار دکھائی دیتی ہے۔اس نے قرآن کو غلافوں میں لپیٹ دیا ہے اور 'انسانِ اعظم' کی سیرت کا گلدستہ بنا کر طاقِ نسیاں پر رکھ دیا۔

دوسرا غضب یہ ڈھایا کہ اپنے آپ کو ایک مذہبی اور قومی جتھے میں بدل کر محمدﷺ کو محض اپنے قومی و مذہبی رہنما کی حیثیت دے دی اور اس بین الاقوامی ہستی کے پیغام اور نمونہ حیات کو گروہی اجارہ دار بنا لیا۔ حالانکہ آپﷺ ساری انسانیت کے رہنما بن کر آئے اور ساری انسانیت کے لیے پیغام اور نمونہ لائے تھے۔سیرت کو اس انداز سے پیش کرنے کی ضرورت تھی کہ انسانیت کا یہ ایک نمونہ ہے کہ جس کے سانچے میں ڈھل کر انسان اپنے اور ابنائے نوع کی فلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے اور مسائل کے خارزاروں سے نجات پا کر ایک پاکیزہ نظامِ زندگی حاصل کر سکتا ہے۔

حضورﷺ کا پیغام اور اسوہ درحقیقت سورج کی روشنی اور بارش کے پانی اور ہوا کے جھونکوں کی طرح کا فیضانِ عام تھا، لیکن اسے ہم نے اپنی نااہلی سے گروہی خول میں بند کر دیا۔ آج سقراط و افلاطون، ڈارون و میکیاولی، مارکس و فرائڈ اور آئن سٹائن سے تو ہر ملک و مذہب کے لوگ تھوڑا یا بہت استفادہ کرتے نظر آتے ہیں، اور ان میں سے کسی کے خلاف کسی گروہ میں اندھا تعصب کارونا نہیں ہے، لیکن محمدﷺ کے نوادرِ علم اور رہنمائی سے استفادہ کرنے میں بے شمار تعصّبات حائل ہو جاتے ہیں۔لوگ یوں سوچتے ہیں کہ: ''محمدﷺ مسلمانوں کے ہیں اور مسلمان ہم سے الگ اور ہم مسلمانوں سے الگ ہیں۔لہٰذا، مسلمانوں کے ہادی اور رہبر سے ہمارا کیا واسطہ!'' افسوس ہے کہ اس تاثر کے پیدا ہونے اور غیر معمولی حد تک جا پہنچنے میں ہم مسلمانوں کے طرزِ عمل کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ جنھوں نے اپنے قول اور عمل سے، محسنِ انسانیتﷺ کی نہایت غلط نمائندگی کی ہے۔ **(بشکریہ ترجمان القرآن)**

احسان شناسی

(طالب الہاشمی)

تصوف کی اصطلاح میں ''احسان'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کی جائے جیسے وہ ذُوالجلال والاکرام ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور گویا ہم اس کو دیکھ رہے ہیں اور یہ بھی یقین کامل ہو کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ (صحیح مسلم حدیث جبریل)

احسان کی اس تشریح کا تعلق نہ صرف نماز سے ہے (کہ وہ پورے خضوع وخشوع کے ساتھ ادا کی جائے) بلکہ یہ انسان کی پوری زندگی سے ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ہر عبادت وبندگی اور اس کے ہر حکم کی اطاعت اس طرح کی جائے اور اس کے مواخذہ سے اس طرح ڈرا جائے کہ گویا وہ ہمارے سامنے ہے اور ہماری ہر حرکت وسکون کو دیکھ رہا ہے۔

احسان کی اس تشریح سے قطع نظر ہماری زبان اور ہمارے محاورہ میں احسان کے لغوی معنی ہیں' کسی کے ساتھ اچھا سلوک (نیکی' بھلائی' مہربانی) کرنا یہاں ہماری مراد اسی احسان سے ہے کہ جو اخلاق حَسنہ کی ایک اہم شاخ ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے:

هَلْ جَزَآءُ الاِحْسَانِ اِلَّاالْاِحْسَانُ (الرحمٰن:۶۰)

ترجمہ: ''احسان (نیکی) کا بدلہ احسان (نیکی) کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے''۔

اس ارشاد ربانی کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جو لوگ عمر بھر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں سرگرم رہے' حرام سے بچتے رہے اور باطل کے مقابلے میں ہر طرح کے مصائب جھیلتے رہے' یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان کی قربانیاں ضائع کر دے اور انہیں ان کا اجر نہ دے یعنی اعمال صالح کا بدلہ آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور اجر عظیم کی صورت میں ملے گا۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ایک مومن پر لازم ہے کہ وہ نیکی کا بدلہ نیکی سے دے۔ رسول اکرم ﷺ لوگوں کو صرف ترغیب ہی نہیں دیتے تھے بلکہ سخت تاکید فرماتے تھے کہ

احسان کا بدلہ احسان سے دو۔اگر کوئی شخص احسان کا بدلہ (اسی صورت میں) دینے کی استطاعت نہیں رکھتا تو کم از کم اپنے محسن کا شکریہ ضرور ادا کرے۔حضور ﷺ خیر مجسم تھے۔آپ نے یہاں تک حکم دیا ہے کہ برائی کا بدلہ بھی بھلائی سے دو۔جامع ترمذی میں حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم دوسروں کی دیکھا دیکھی کام کرنے والے نہ بنو یعنی کہنے لگو کہ اگر اور لوگ احسان کریں گے تو ہم بھی احسان کریں گیا ور اگر دوسرے لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ظلم کریں گے بلکہ اپنے دلوں کو اس بات پر پختہ کرلو کہ اگر اور لوگ احسان کریں تو تم بھی لازماً احسان کرو اور اگر لوگ برا(ظالمانہ)سلوک کریں تب بھی تم ظلم (اور برائی) کا رویہ اختیار نہ کرو۔ (بلکہ احسان ہی کرو۔)

ترمذی کی ہی ایک اور حدیث میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی احسان کی کسی صورت اور کسی قسم کو حقیر نہ سمجھے پس اگر اپنے بھائی کو دینے کے لیے کچھ بھی نہ پائے تو اتنا ہی کرے کہ شگفتہ روئی کے ساتھ اس سے ملاقات کرے اور جب تم گوشت خریدو یا ہانڈی پکاؤ تو اس میں شوربہ بڑھا دیا کرو پھر چمچہ بھر اپنے ہمسائے کے لیے بھی نکالا کرو۔

رسول اکرم ﷺ عام طور پر کسی کا احسان اٹھانا پسند نہ فرماتے تھے تاہم انسانی معاشرے میں کبھی نہ کبھی ایسے حالات پیش آہی جاتے ہیں جب ایک انسان کو دوسرے انسان کا بار احسان اٹھانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔آپ ﷺ نے بعد میں اس احسان کا برملا اعتراف فرمایا اور اس کا بہتر سے بہتر بدلہ دینے کی کوشش فرمائی،تین مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(ا)

انصار مدینہ نے ایک ایسے وقت رسول اکرم ﷺ کا ساتھ دیا جب سرزمین عرب کا بچہ بچہ علمبر دارانِ حق کے خون کا پیاسا ہو گیا تھا اور کسی قبیلے کو جرات نہ تھی کہ وہ مکہ کے دُرِ یتیم ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والے قلیل التعداد نفوس کی حمایت کا اعلان کرے۔اس وقت ارضِ یثرب

کے یہ مقدس انسان اٹھے اور انہوں نے اپنی جانوں' مالوں اور اولادوں کو حضورﷺ کے قدموں میں لا ڈالا۔ پھر عرب و عجم اور جن و انس کی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپﷺ کو اپنے شہر میں بلا کر اپنا آقا مولا (فرمانروا) بنالیا۔ حضورﷺ نے بھی ان کی سرفروشی اور قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھا اور اپنے وصال تک ان کا ساتھ نہ چھوڑا تاریک ترین ایام میں بھی اور غلبہ و نصرت کے وقت بھی۔

سنہ ۸ ہجری میں غزوۂ حنین کے غنائمِ جنگ سے حضور نے قریش کے نومسلموں کو تالیف قلب کے لیے زیادہ حصہ دیا تو انصار کے بعض نوجوان نے یہ کہہ کر ناراضی کا اظہار کیا کہ حق کی خاطر قربانیاں تو ہم نے دی ہیں لیکن مالِ غنیمت سارا قریش لے گئے۔ حضورﷺ تک ان لوگوں کی ناراضی کی خبر پہنچی تو آپﷺ نے سب انصار کو ایک جگہ جمع کیا اور ان کے سامنے خطبہ دیا جس میں پہلے ان سے پوچھا:

''اے گروہِ انصار! کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے گمراہ تھے میں تمھیں راہِ ہدایت پر لایا اور جنت کا مستحق بنایا تم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے' میں نے تمہیں بھائی بھائی بنا دیا (تم میں اتفاق پیدا کیا) تم مفلس تھے' تم کو زیر نگر کیا' قبائل عرب تمہیں حقیر سمجھتے تھے' میں نے تمہیں عزت دی۔'' انصار حضورﷺ کے ہر ارشاد پر بے ساختہ کہتے جاتے تھے' بے شک اللہ اور اللہ کے رسولﷺ کا احسان بہت بڑا ہے۔ اب حضور نے ان سے فرمایا تم بھی اپنے احسانات بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم کیا عرض کریں۔'' آپﷺ نے فرمایا: ''تم کہو تجھے اپنے گھر سے نکالا گیا ہم نے تجھے اپنے گھر میں پناہ دی' تیرا کوئی مددگار نہیں تھا' ہم نے تیری مدد کی تُو محتاج تھا ہم نے تجھے غنی کیا' ساری دنیا نے تجھے جھٹلایا' ہم نے تیری صداقت کی دل و جان سے گواہی دی۔''

تم یہ جواب دیتے جاؤ گے اور میں کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو! لیکن اے گروہ انصار! کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ دوسرے لوگ اونٹ بکریاں اور مال و دولت اپنے گھروں کو لے جائیں اور تم محمد رسول اللہ کو ساتھ لے کر اپنے گھر لوٹو۔''

حضور ﷺ کے یہ ارشادات سن کر انصار پر رقت طاری ہوگئی ۔روتے روتے ان کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ بے اختیار پکار اٹھے ''ہم کو صرف محمد رسول اللہ درکار ہیں ۔''

پھر حضور نے فرمایا: ''انصار میرے ہیں اور میں انصار کا ہوں ۔اے اللہ! انصار اور انصار کے لڑکوں پر رحم فرما۔ پھر فرمایا: قریش کے جدید الاسلام لوگوں کو صرف اس لیے زیادہ مال دیا گیا کہ ان کی تالیف قلب ہوجائے' اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کا حق زیادہ ہے۔

(سیرۃ النبی' رحیق المختوم' سیرت ابن ہشام وغیرہ)

(۲)

مکہ میں معطم بن عدی قریش کی شاخ بنی نوفل کا ایک شریف بہادر اور رحم دل رئیس تھا۔ مکی دورِ رسالت میں جب رسول اکرم ﷺ پر مصائب و آلام کا ہجوم تھا' معطم بن عدی نے دو انتہائی نازک موقعوں پر (دائرہ اسلام سے باہر ہونے کے باوجود) حضور ﷺ کی پرجوش حمایت کی تھی ۔پہلی مرتبہ اس وقت جب مشرکین قریش نے آنحضور ﷺ کو آپ ﷺ کا ساتھ دینے والی بنو ہاشم اور بنو مطلب کے تمام افراد سمیت ۷ نبوت سے شعیب ابی طالب میں محصور کر رکھا تھا ۱۰ نبوت میں معطم بن عدی نے قریش کے کچھ دوسرے دردمند افراد کے ساتھ مل کر مقاطعہ کے عہد نامے اور اس طویل ہولناک محصوری کا (اپنی جانوں پر کھیل کر) خاتمہ کر دیا ۔دوسری مرتبہ حضور کی حمایت میں وہ اس وقت میدان میں نکلا جب آپ اس سال (۱۰ نبوت میں) طائف کے پرصعوبت سفر سے واپس مکہ تشریف لائے ۔آپ ﷺ نے بیرون شہر (کوہ حرا کے دامن) سے شہر کے تین معزز آدمیوں' اخنس بن شریق سہیل بن عمرہ اور معطم بن عدی کو پیغام بھیجا کہ دشمنوں (دوسرے مشرکین مکہ) کے مقابلے میں مجھے اپنی حمایت میں لے لو۔ اخنس اور سہیل نے تو حضور ﷺ کی حمایت سے انکار کر دیا لیکن معطم بن عدی نے آپ ﷺ کو اپنی حفاظت میں لینے کی ہامی بھر لی اور آپ کو کہلا بھیجا کہ آپ شہر میں آجائیں میں آپ کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہوں ۔اس کا پیغام ملتے ہی حضور ﷺ شہر میں داخل ہو گئے ۔معطم بن عدی اور اس کے چھ مسلح بیٹوں

(ایک روایت کے مطابق بھتیجوں نے بھی) حضورﷺ کو اپنی حفاظت میں لیا اور اپنے ساتھ لے کر حرم کعبہ میں آئے۔ یہاں معطم بن عدی نے اونٹ پر کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

''اے گروہ قریش! سن لو کہ میں نے محمدﷺ کو پناہ دی ہے۔ خبردار کوئی شخص ان پر ہاتھ اٹھانے کا قصد نہ کرے''۔

معطم کو علم تھا کہ حضورﷺ کو پناہ دینا سارے قریش سے دشمنی مول لینے کے مترادف ہے لیکن اس بہادر شخص نے کچھ پرواہ نہ کی اور حضورﷺ کی حمایت میں جان کی بازی لگا دی۔ رسول اکرمﷺ اس شخص کے دونوں مرتبہ کے احسان کو کبھی نہیں بھولے۔ اس واقعہ کے تین سال بعد حضورﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ اس کے بعد معطم بن عدی کا حالت کفر ہی میں انتقال ہو گیا۔ مدینہ منورہ میں اس کے انتقال کی خبر پہنچی تو رسول اکرمﷺ اور صحابہ کرامؓ کو بہت صدمہ ہوا۔ شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت نے اس کا پُر زور مرثیہ لکھا۔ (ایک روایت کے مطابق یہ مرثیہ انہوں نے حضورﷺ کے ایماء پر لکھا)

علامہ زرقانی ''شرح مواہب لدنیہ'' میں اس مرثیہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''فاکہی نے بہ اسنادِ مرسل ذکر کیا ہے کہ حسانؓ نے اس کے کافر ہوتے ہوئے اس کا مرثیہ اس لیے لکھا کہ مرثیہ میں مرنے والے کی خوبیوں کا مرنے کے بعد ذکر کیا جاتا ہے اور بلاشبہ رسول اللہﷺ کے ساتھ اس کا حُسنِ سلوک اس کے بہترین محاسن میں سے تھا۔ لہٰذا اس قسم کی خوبیوں کے ساتھ اس کے ذکر میں کوئی قباحت نہیں۔''

معطم بن عدی کی وفات کے کچھ عرصہ بعد معرکہ بدر پیش آیا۔ اس میں قریش مکہ کو شکست فاش ہوئی۔ ان کے ستر آدمی معرکہ کارزار میں قتل ہوئے اور ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھ اسیر ہو گئے۔ حضورﷺ نے فیصلہ کیا کہ ذی استطاعت قیدیوں کو فدیہ کے عوض آزاد کر دیا جائے۔ معطم بن عدی کے فرزند جبیر بن معطم (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے لیکن بدر کی لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے) فدیہ دے کر اپنے قیدیوں کو چھڑانے حضورﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے تو حضورﷺ کو معطم بن عدی کے احسانات یاد آ گئے اور آپ نے جبیر سے فرمایا:

"اگر آج معطم بن عدی زندہ ہوتا تو وہ ان بدکردار لوگوں (قیدیوں) کی مجھ سے سفارش کرتا تو میں اس کی سفارش قبول کر کے ان کو بغیر فدیہ کے آزاد کر دیتا۔"

(صحیح بخاری، سیرۃ ابن هشام، الاستیعاب وغیرہ)

(۳)

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے اسلام اور داعی اسلامﷺ کو نقصان پہنچانے کے لیے جو سازشیں اور کارروائیاں کیں ان کی تفصیل رحم و کرم کے زیرِ عنوان بیان کی گئی ہے۔ اس کے گھناؤنے کردار کے باوجود جب وہ مرا تو حضورﷺ نے (اس کے سچے مسلمان فرزند کی درخواست پر) اس کے کفن میں لگانے کے لیے اپنا کرتا عطا کر دیا صرف اس کے اس عمل کے پیش نظر کہ جب غزوۂ بدر میں حضورﷺ کے چچا حضرت عباسؓ جنگی قیدی بنے اور ان کے لیے لمبے کرتے کی ضرورت پیش آئی تو ابن اُبی نے اپنا کُرتا اتار کر ان کو پہنا دیا تھا۔ اس کے اس احسان کا بدلہ حضورﷺ نے اپنا کرتا اس کے کفن کے لیے عطا فرمایا۔

دعائے مغفرت

راولپنڈی سے عزیز عارف صاحب کے بھائی محمد شبیر توحیدی

گوجرانوالہ سے محمد طالب کے بھائی،

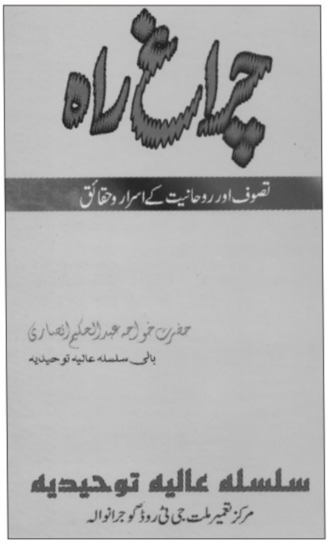
ڈسکہ سے عبدالرشید ساہی کے ماموں

گوجرانوالہ سے میاں محمد انور (شوروم والے) کے بڑے بھائی

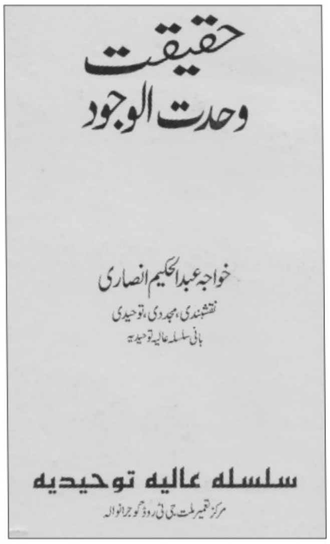
بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّـا إِلَيْهِ رَاجِعونَ)

مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کیلئے دعا فرمائیں۔

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات ،مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔زوال اُمت میں اُمراء ،علماء،صوفیاء کا کردار۔علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوّف کے انسانی زندگی پر اثرات۔سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

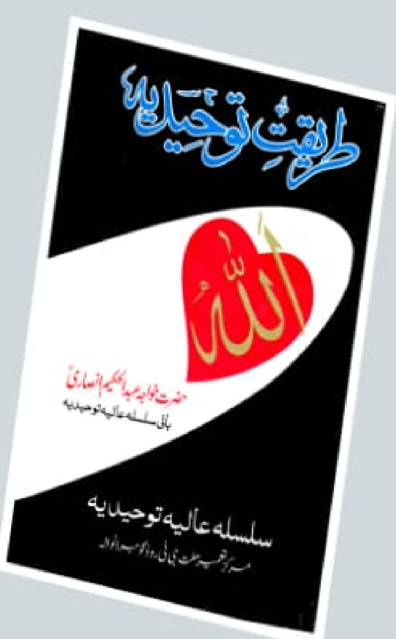


وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔مصنّفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدات کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کردیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقاء اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریۂ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظّام کو ہوجانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات، اسلامی تصوّف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار، ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کردیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد، اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کردیئے ہیں جس پر عمل کرکے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کرسکتا ہے۔

Reg: CPL - 01
Website www.tauheediyah.com